اصلاحی خطبات

جلد ۱۵

- تعویذ گنڈے اور جھاڑ پھونک
- دلوں کو پاک کریں
- آنکھیں بڑی نعمت ہیں
- بے پردگی کا سیلاب
- عہد اور وعدہ کی اہمیت
- اچھے اخلاق کا مطلب
- نکاح جنسی تسکین کا جائز ذریعہ
- خواتین اور پردہ
- امانت کی اہمیت
- نماز کی حفاظت کیجئے

حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی مدظلہم

۱۵

اصلاحی خطبات

شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہم

ضبط و ترتیب

محمد عبداللہ میمن

میمن اسلامک پبلشرز

۱۸۸/۱، لیاقت آباد، کراچی ۱۹

خطاب ☜ حضرت مولانا محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہم

ضبط و ترتیب ☜ مولانا محمد عبداللہ میمن صاحب

تاریخ اشاعت ☜ مئی ۲۰۰۵ء

مقام ☜ جامع مسجد بیت المکرم، گلشن اقبال، کراچی

باہتمام ☜ ولی اللہ میمن ۴۹۱۶۰۳۳

ناشر ☜ میمن اسلامک پبلشرز

کمپوزنگ ☜ عبدالماجد پراچہ (فون: 0333-2110941)

قیمت ☜ /- روپے

ملنے کے پتے

- میمن اسلامک پبلشرز، ۱۸۸/۱، لیاقت آباد، کراچی ۱۹
- دارالاشاعت، اردو بازار، کراچی
- مکتبہ دارالعلوم کراچی ۱۴
- ادارۃ المعارف، دارالعلوم کراچی ۱۴
- کتب خانہ مظہری، گلشن اقبال، کراچی
- اقبال بک سینٹر صدر کراچی
- مکتبۃ الاسلام، الٰہی فلورمل، کورنگی، کراچی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

پیش لفظ

حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہم العالی

الحمدللّٰہ و کفی، وسلام علی عبادہ الذین اصطفی۔ امابعد!

اپنے بعض بزرگوں کے ارشاد کی تعمیل میں احقر کئی سال سے جمعہ کے روز عصر کے بعد جامع مسجد بیت المکرّم گلشن اقبال کراچی میں اپنے اور سننے والوں کے فائدے کے لئے کچھ دین کی باتیں کیا کرتا ہے۔ اس مجلس میں ہر طبقہ خیال کے حضرات اور خواتین شریک ہوتے ہیں، الحمد للہ احقر کو ذاتی طور پر بھی اس کا فائدہ ہوتا ہے اور بفضلہٖ تعالیٰ سامعین بھی فائدہ محسوس کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ اس سلسلے کو ہم سب کی اصلاح کا ذریعہ بنائیں۔ آمین۔

احقر کے معاون خصوصی مولانا عبداللہ میمن صاحب سلمہ نے کچھ عرصے سے احقر کے ان بیانات کو ٹیپ ریکارڈ کے ذریعے محفوظ کر کے ان کے کیسٹ تیار کرنے اور ان کی نشر و اشاعت کا اہتمام کیا جس کے بارے میں دوستوں سے معلوم ہوا کہ بفضلہٖ تعالیٰ ان سے بھی مسلمانوں کو فائدہ پہنچ رہا ہے۔

ان کیسٹوں کی تعداد اب ساڑھے چار سو سے زائد ہوگئی ہے۔ انہی میں سے کچھ کیسٹوں کی تقاریر مولانا عبداللہ میمن صاحب سلمہ نے قلمبند بھی فرمالیں اور

ان کو چھوٹے چھوٹے کتابچوں کی شکل میں شائع کیا۔ اب وہ ان تقاریر کا ایک مجموعہ ''اصلاحی خطبات'' کے نام سے شائع کر رہے ہیں۔

ان میں سے بعض تقاریر پر احقر نے نظر ثانی بھی کی ہے۔ اور مولانا موصوف نے ان پر ایک مفید کام یہ بھی کیا ہے کہ تقاریر میں جو احادیث آئی ہیں، ان کی تخریج کر کے ان کے حوالے بھی درج کر دیئے ہیں، اور اس طرح ان کی افادیت بڑھ گئی ہے۔

اس کتاب کے مطالعے کے وقت یہ بات ذہن میں رہنی چاہئے کہ یہ کوئی باقاعدہ تصنیف نہیں ہے، بلکہ تقریروں کی تلخیص ہے جو کیسٹوں کی مدد سے تیار کی گئی ہے، لہٰذا اس کا اسلوب تحریری نہیں، بلکہ خطابی ہے۔ اگر کسی مسلمان کو ان باتوں سے فائدہ پہنچے تو یہ محض اللہ تعالیٰ کا کرم ہے، جس پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنا چاہئے، اور اگر کوئی بات غیر محتاط یا غیر مفید ہے، تو وہ یقیناً احقر کی کسی غلطی یا کوتاہی کی وجہ سے ہے۔ لیکن الحمدللہ ان بیانات کا مقصد تقریر برائے تقریر نہیں، بلکہ سب سے پہلے اپنے آپ کو اور پھر سامعین کو اپنی اصلاح کی طرف متوجہ کرنا ہے۔

نہ بہ حرف ساختہ سرخوشم، نہ بہ نقش بستہ مشوشم
نفسے بیاد بیاد تو می زنم، چہ عبارت وچہ معانیم

اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے ان خطبات کو خود احقر کی اور تمام قارئین کی اصلاح کا ذریعہ بنائیں، اور یہ ہم سب کے لئے ذخیرہ آخرت ثابت ہوں۔ اللہ تعالیٰ سے مزید دعا ہے۔ کہ وہ ان خطبات کے مرتب اور ناشر کو بھی اس خدمت کا بہترین صلہ عطا فرمائیں آمین۔

محمد تقی عثمانی

دارالعلوم کراچی ۱۴

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْم ط

عرضِ ناشِر

الحمد اللہ ''اصلاحی خطبات'' کی پندرہویں جلد آپ تک پہنچانے کی ہم سعادت حاصل کر رہے ہیں۔ چودہویں جلد کی مقبولیت اور افادیت کے بعد مختلف حضرات کی طرف سے پندرہویں جلد کو جلد از جلد شائع کرنے کا شدید تقاضہ ہوا، اور اب الحمدللہ، دن رات کی محنت اور کوشش کے نتیجے میں صرف ایک سال کے عرصہ میں یہ جلد تیار ہوکر سامنے آ گئی اس جلد کی تیاری میں برادرمکرم جناب مولانا عبداللہ میمن صاحب نے اپنی دوسری مصروفیات کے ساتھ ساتھ اس کام کے لئے اپنا قیمتی وقت نکالا، اور دن رات کی انتھک محنت اور کوشش کر کے پندرہویں جلد کے لئے مواد تیار کیا، اللہ تعالیٰ ان کی صحت اور عمر میں برکت عطا فرمائے۔ اورمزید آگے کام جاری رکھنے کی ہمت اورتوفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

تمام قارئین سے دعا کی درخواست ہے کہ اللہ تعالیٰ اس سلسلے کومزید آگے جاری رکھنے کی ہمت اورتوفیق عطا فرمائے۔ اوراس کے لئے وسائل اوراسباب میں آسانی پیدا فرما دے۔ اس کام کو اخلاص کے ساتھ جاری رکھنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

طالب دعا
ولی اللہ میمن

اجمالی فہرست

جلد ۱۵

فہرستِ مضامین

عنوان　　　　　　　　　　صفحہ نمبر :۔

تعویذ گنڈے اور جھاڑ پھونک

عنوان	صفحہ نمبر
تزکیہ کیا چیز ہے؟	

اچھے اخلاق کا مطلب

عنوان	صفحہ نمبر

عنوان	صفحہ نمبر

نکاح جنسی تسکین کا جائز ذریعہ

آنکھوں کی حفاظت کریں

صفحہ نمبر	عنوان

آنکھیں بڑی نعمت ہیں

عنوان	صفحہ نمبر

عنوان	صفحہ نمبر

خواتین اور پردہ

عنوان	صفحہ نمبر

عنوان	صفحہ نمبر

عہد اور وعدہ کا وسیع مفہوم

نماز کی حفاظت کیجئے

عنوان	صفحہ نمبر

تعویذ گنڈے اور جھاڑ پھونک

شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہم

ضبط و ترتیب
محمد عبداللہ میمن

میمن اسلامک پبلشرز
۱۸۸/۱، لیاقت آباد، کراچی ۱۹

مقام خطاب : جامع مسجد بیت المکرّم
گلشن اقبال کراچی

وقت خطاب : بعد نماز عصر تا مغرب

اصلاحی خطبات : جلد نمبر: ۱۵

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ط

تعویذ گنڈے اور جھاڑ پھونک

کی شرعی حیثیت

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ نَحْمَدُہٗ وَ نَسْتَعِیْنُہٗ وَ نَسْتَغْفِرُہٗ وَ نُؤْمِنُ بِہٖ وَ نَتَوَکَّلُ عَلَیْہِ وَنَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَیِّئَاتِ اَعْمَالِنَا ۔ مَنْ یَّھْدِہِ اللّٰہُ فَلَا مُضِلَّ لَہٗ وَ مَنْ یُّضْلِلْہُ فَلَا ھَادِیَ لَہٗ وَاَشْھَدُ اَنْ لَّا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْکَ لَہٗ وَ اَشْھَدُ اَنَّ سَیِّدَنَا وَنَبِیَّنَا وَ مَوْلَانَا مُحَمَّداً عَبْدُہٗ وَ رَسُوْلُہٗ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَ عَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَبَارَکَ وَ سَلَّمَ تَسْلِیْماً کَثِیْراً۔ اَمَّا بَعْدُ :

امت محمدیہ کی کثرت

حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ میرے سامنے موسم حج کے موقع پر ساری امتیں پیش کی گئیں۔ یعنی بذریعہ کشف آپ کو تمام پچھلی امتیں دکھائی گئیں۔ مثلاً حضرت موسیٰ علیہ السلام کی امت اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی امت اور دوسرے انبیاء کی امتیں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے پیش کی

گئیں۔ اوران کے ساتھ امت محمدیہ بھی آپ کے سامنے پیش کی گئی۔تو مجھے اپنی امت کی تعداد جو کہ بہت بڑی تھی، اس کو دیکھ کر میرا دل بہت خوش ہوا۔اس لئے کہ دوسرے انبیاء کے امتیوں کی تعداد اتنی زیادہ نہیں تھی، جتنی رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کی تعداد تھی۔

کثرتِ امت دیکھ کر آپ کی خوشی

دوسری روایت میں یہ تفصیل ہے کہ جب گذشتہ انبیاء کی امتیں آپ کے سامنے پیش کی جانے لگیں تو بعض انبیاء کی امت میں دو تین آدمی تھے، کسی کے ساتھ دس بارہ تھے، اس لئے کہ بعض انبیاء کرام علیہم السلام پر ایمان لانے والے محدود چند افراد تھے بعض انبیاء پر ایمان لانے والے دس بارہ افراد تھے، بعض پر ایمان لانے والے سو افراد تھے، بعض پر ایمان لانے والے ہزار تھے۔ جب یہ امتیں آپ کے سامنے پیش کی گئیں تو آپ کو ایک بڑا گروہ نظر آیا، آپ نے پوچھا کہ یہ کون لوگ ہیں؟ آپ کو بتلایا گیا کہ یہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی امت ہے۔ کیونکہ موسیٰ علیہ السلام کی امت تعداد کے اعتبار سے بہت زیادہ تھی، پھر بعد میں آپ کے سامنے ایک اور بڑا گروہ پیش کیا گیا جو سارے میدان پر چھا گیا، اور اور سارے پہاڑوں پر چھا گیا، میں نے پوچھا کہ یہ کون لوگ ہیں؟ آپ کو بتلایا گیا کہ یہ آپ کی امت ہے۔ پھر آپ سے سوال کیا گیا کہ یا محمد! اَرَضِیْتَ؟ کیا آپ راضی ہو گئے؟ یعنی کیا اس سے خوش ہیں کہ آپ کی امت کی

اتنی بڑی تعداد ہے جو کسی اور پیغمبر کی امت کی نہیں ہے۔ میں نے جواب دیا: نَعَمْ يَا رَبِّىْ ! ہاں اے میرے پروردگار، مجھے بڑی خوشی ہوئی کہ الحمدللہ ،میری امت کے اندر اتنی بڑی تعداد لوگوں کی موجود ہے۔

ستر ہزار افراد کا بلا حساب جنت میں دخول

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ خوش خبری سنائی کہ :

" اِنَّ مَعَ هٰؤُلَاءِ سَبْعِيْنَ اَلْفًا يَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ بِغَيْرِ حِسَابٍ "

(بخاری کتاب الطب، باب من لم یرق)

یعنی یہ جو امت آپ کو نظر آ رہی ہے اس میں ستر ہزار افراد ایسے ہیں جو بلا حساب جنت میں داخل ہوں گے،ان سے حساب نہیں لیا جائے گا۔ پھر اس کی شرح فرمائی کہ وہ لوگ جو جنت میں بغیر حساب کے داخل ہوں گے یہ وہ لوگ ہیں جن کے اندر یہ چار صفتیں ہوں گی۔

چار اوصاف والے

پہلی صفت یہ ہے کہ هُمُ الَّذِيْنَ لَا يَسْتَرْقُوْنَ ،یعنی وہ لوگ جو جھاڑ پھونک نہیں کرتے۔ دوسری صفت یہ ہے کہ وہ لوگ بیماری کا علاج داغ لگا کر نہیں کرتے ،اہل عرب میں یہ رواج تھا کہ جب کسی بیماری کا کوئی علاج کارگر نہیں ہوتا تھا تو اس وقت وہ لوگ لوہا گرم کر کے بیمار کے جسم سے لگاتے تھے۔ تیسری

صفت یہ کہ وہ بدشگونی نہیں لیتے کہ فلاں بات ہوگئی تو اس سے بُرا شگون لے لیا۔ چوتھی صفت یہ ہے کہ وہ لوگ ان باتوں کے بجائے اللہ تبارک وتعالیٰ پر توکل کرتے ہیں۔ جن لوگوں میں یہ چار صفتیں ہوں گی وہ ان ستّر ہزار افراد میں داخل ہوں گے جو بلاحساب کتاب جنت میں داخل ہوں گے۔

ستّر ہزار کا عدد کیوں؟

اور یہ جو ستّر ہزار افراد بلاحساب کتاب جنت میں داخل ہوں گے، ان کے لئے جو عدد بیان کیا گیا ہے کہ وہ ستر ہزار ہوں گے، بعض حضرات نے اس کی تشریح میں فرمایا کہ واقعۃً وہ ستر ہزار افراد ہوں گے۔ اور بعض حضرات نے فرمایا کہ یہ ستر ہزار کا لفظ یہاں عدد بیان کرنے کے لئے نہیں ہے، بلکہ کثرت کو بیان کرنا مقصود ہے، جیسے کوئی شخص کسی چیز کی کثرت کو بیان کرتا ہے تو اس کے لئے عدد بیان کر دیتا ہے، جبکہ مقصود عدد بیان کرنا نہیں ہوتا، بلکہ کثرت بیان کرنی مقصود ہوتی ہے، اسی طرح یہاں بھی اس عدد سے یہ بیان کرنا مقصود ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے فضل وکرم سے اس امت کے بے شمار افراد کو بلاحساب وکتاب کے جنت میں داخل فرمائیں گے۔ اور بعض حضرات نے یہ فرمایا کہ یہ جو ستر ہزار افراد ہوں گے، پھر ان میں سے ہر ایک کے ساتھ ستّر ہزار افراد ہوں گے جن کو اللہ تعالیٰ جنت میں داخل فرمائیں گے۔ اللہ تعالیٰ اپنے فضل وکرم سے اپنی رحمت سے ہم سب کو جنت میں داخل فرمادے۔ آمین

ستّر ہزار میں شامل ہونے کی دعا

جس وقت حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام کے سامنے یہ بات ارشاد فرمائی تو ایک صحابی حضرت عُکاشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کھڑے ہوئے عرض کیا کہ :

یا رَسُوْلَ اللّٰهِ : فَادْعُ اللّٰهَ اَنْ یَّجْعَلَنِیْ مِنْهُمْ

یا رسول اللہ : میرے لئے آپ دعا فرمادیں کہ اللہ تعالیٰ مجھے ان میں داخل فرمادیں۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی وقت ان کے لئے دعا فرمادی کہ یا اللہ، ان کو ان لوگوں میں داخل فرمادے جو بلا حساب و کتاب کے جنت میں داخل ہونے والے ہیں ۔ بس ان کا تو پہلے مرحلے پر ہی کام بن گیا۔ جب دوسرے صحابہ کرام نے دیکھا کہ یہ تو بڑا اچھا موقع ہے تو ایک صاحب اور کھڑے ہوگئے اور کہا کہ یا رسول اللہ، میرے لئے دعا فرمادیں کہ اللہ تعالیٰ مجھے بھی ان میں داخل فرمادیں، اس پر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ :

سَبَقَکَ بِهَا عُکَّاشَةُ

یعنی عکاشہ تم سے سبقت لے گئے۔ مطلب یہ تھا کہ چونکہ سب سے پہلے انہوں نے دعا کی درخواست کردی، میں نے اس کی تعمیل کردی، اب یہ سلسلہ مزید دراز نہیں ہوگا، اب اللہ تعالیٰ جس کو چاہیں گے اس کو داخل فرمائیں گے۔

ہر مسلمان کو یہ دعا مانگنی چاہیے

اس حدیث میں امتِ محمد یہ علی صاحبہا الصّلوۃ والسلام کے لئے بشارت ہے، اور ان لوگوں کے لئے بڑی بشارت ہے جن کو اللہ تعالیٰ اس جماعت میں داخل فرمالیں جو بلا حساب و کتاب جنت میں داخل کر دی جائے گی۔ ہمارا کیا منہ ہے کہ ہم یہ کہیں کہ اللہ تعالیٰ ہمیں اس میں شامل فرمالیں، لیکن ان کی رحمت کے پیش نظر ایک ادنیٰ سے ادنیٰ امتی بھی یہ دعا مانگ سکتا ہے کہ یا اللہ، میں اس قابل تو نہیں ہوں، لیکن آپ کی رحمت سے کچھ بعید نہیں کہ میرے جیسے آدمی کو بھی بلا حساب و کتاب کے جنت میں داخل فرمادیں۔ آپ کی رحمت کی وسعت میں کوئی کمی نہیں آتی۔ لہٰذا ہر مسلمان کو یہ دعا مانگنی چاہیے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں بلا حساب وکتاب کے جنت میں داخل فرمادیں۔

تکلیف یقینی اور فائدہ غیر یقینی والا علاج

بہر حال، اس حدیث میں چار صفات بیان فرمائی ہیں کہ جن میں یہ چار صفات پائی جائیں گی، وہ جنت میں بلا حساب داخل ہوں گے، ان میں سے ایک یہ ہے کہ وہ لوگ علاج کے وقت داغ نہیں لگاتے۔ اس زمانے میں اہل عرب کے یہاں یہ طریقہ تھا کہ لوگ جب کسی بیماری کا علاج کرتے اور کوئی دوا کارگر نہ ہوتی تو ان کے یہاں یہ بات مشہور تھی کہ لوہا آگ پر گرم کر کے اس بیمار

کے جسم پر لگایا جائے۔ اس کے ذریعے مریض کو سخت تکلیف ہوتی تھی، ظاہر ہے کہ جب جلتا ہوا لوہا جسم سے لگے گا تو کیا قیامت ڈھائے گا۔ ان کا خیال یہ تھا کہ یہ علاج ہے اور اس سے بیماری دور ہوتی ہے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس طریقہ علاج کو پسند نہیں فرمایا، اس لئے کہ اس طریقہ علاج میں تکلیف نقد ہے اور فائدہ یقینی نہیں، اور وہ علاج جس میں تکلیف تو نقد ہو جائے اور فائدہ کا پتہ نہ ہو کہ فائدہ ہوگا یا نہیں، ایسا علاج پسندیدہ نہیں، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو ناپسند فرمایا۔

علاج میں بھی اعتدال مطلوب ہے

دوسری وجہ یہ بیان کی جاتی ہے کہ درحقیقت یہ داغنے کا طریقہ علاج کے اندر غلوّ اور مبالغہ ہے، عرب میں یہ مقولہ مشہور تھا کہ " آخِرُ الدَّوَاءِ الْكَيُّ " یعنی آخری علاج داغ لگانا ہے۔ بتلانا یہ مقصود ہے کہ جب آدمی بیمار ہو جائے تو اس کا علاج کرانا سنّت ہے، لیکن علاج ایسا ہونا چاہیے جو اعتدال کے ساتھ ہو، یہ نہیں کہ علاج کے اندر آپ انتہا کو پہنچ جائیں، اور مبالغہ سے کام لیں، یہ بات پسندیدہ نہیں۔ یہ درحقیقت اس بات کی علامت ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات پر بھروسہ کی کمی ہے، جس کی وجہ سے آدمی مبالغہ کر رہا ہے، انسان اسباب ضرور اختیار کرے، لیکن اعتدال کے ساتھ کرے، حدیث میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :

" اَجْمِلُوْا فِیْ الطَّلَبِ "

(کنز العمال حدیث ۹۲۹۱)

یعنی ایک اجمالی کوشش کرو، اور پھر اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کرو، یہ ہے سنت، لہٰذا علاج میں اس طرح کا انہماک، اور بہت زیادہ غلو یہ پسندیدہ نہیں۔

بدشگونی اور بدفالی کوئی چیز نہیں

دوسری صفت جو بیان فرمائی وہ بدشگونی ہے، اس کا بیان پہلے ہو چکا ہے کہ بد شگونی لینا کہ فلاں عمل سے یہ بدفالی ہوگئی، مثلاً بلی راستہ کاٹ گئی تو اب سفر ملتوی کردیں، وغیرہ۔ یہ سب باتیں جاہلیت کے زمانے کی باتیں تھیں، اور اس کا اصل سبب اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کی کمی تھی، اس وجہ سے فرمایا کہ وہ لوگ بدشگونی نہیں کرتے۔

تعویذ گنڈوں میں افراط وتفریط

تیسری صفت یہ بیان فرمائی کہ وہ لوگ جھاڑ پھونک نہیں کرتے، یعنی وہ لوگ جو جنت میں بلا سبب داخل ہوں گے وہ جھاڑ پھونک کے ذریعے علاج نہیں کرتے۔ اسکے بارے میں تفصیل یہ ہے کہ ہمارے زمانے میں جھاڑ پھونک اور تعویذ گنڈوں کے بارے میں لوگوں کے درمیان افراط وتفریط پائی جارہی ہے، بعض لوگ وہ ہیں جو سرے سے جھاڑ پھونک اور تعویذ گنڈوں کے بالکل ہی قائل نہیں، بلکہ وہ لوگ اس قسم کے تمام کاموں کو ناجائز سمجھتے ہیں۔ اور بعض لوگ

تو اس کام کو شرک قرار دیتے ہیں، اور دوسری طرف بعض لوگ ان تعویذ گنڈوں کے اتنے زیادہ معتقد اور اس میں اتنے زیادہ منہمک ہیں کہ ان کو ہر کام کے لئے ایک تعویذ ہونا چاہیے، ایک وظیفہ ہونا چاہیے، ایک گنڈا ہونا چاہیے، میرے پاس روزانہ بے شمار لوگوں کے فون آتے ہیں کہ صاحب بچی کے رشتے نہیں آرہے ہیں، اس کے لئے کوئی وظیفہ بتادیں، روزگار نہیں مل رہا ہے، اس کے لئے کوئی وظیفہ بتادیں، میرا قرضہ ادا نہیں ہو رہا ہے، اس کے لئے کوئی وظیفہ بتادیں، دن رات لوگ بس اس فکر میں رہتے ہیں کہ سارا کام ان وظیفوں سے اور ان تعویذ گنڈوں سے ہو جائے، ہمیں ہاتھ پاؤں ہلانے کی ضرورت نہ پڑے۔

جھاڑ پھونک میں غیر اللہ سے مدد

یہ دونوں باتیں افراط وتفریط کے اندر داخل ہیں، اور شریعت نے جو راستہ بتایا ہے وہ ان دونوں انتہاؤں کے درمیان ہے، جو قرآن وسنت سے سمجھ میں آتا ہے۔ یہ سمجھنا بھی غلط ہے کہ جھاڑ پھونک کی کوئی حیثیت نہیں، اور تعویذ کرنا ناجائز ہے۔ اس لئے کہ اگرچہ اس روایت میں ان لوگوں کی فضیلت بیان کی گئی ہے جو جھاڑ پھونک نہیں کرتے۔ لیکن خوب سمجھ لیجئے کہ اس سے ہر قسم کی جھاڑ پھونک مراد نہیں، بلکہ اس حدیث میں زمانہ جاہلیت میں جھاڑ پھونک کا جو طریقہ تھا، اس کی طرف اشارہ ہے، زمانہ جاہلیت میں عجیب وغریب قسم کے منتر لوگوں کو یاد ہوتے تھے، اور یہ مشہور تھا کہ یہ منتر پڑھو تو اس سے فلاں بیماری سے افاقہ

ہو جائے گا، فلاں منتر پڑھو تو اس سے فلاں کام ہو جائے گا، وغیرہ، اور ان منتروں میں اکثر و بیشتر جنّات اور شیاطین سے مدد مانگی جاتی تھی، کسی میں بتوں سے مدد مانگی جاتی تھی۔ بہر حال ان منتروں میں ایک خرابی تو یہ تھی کہ ان میں غیر اللہ سے اور بتوں سے اور شیاطین سے مدد مانگی جاتی تھی کہ تم ہمارا یہ کام کر دو، اسی طرح ان منتروں میں مشرکانہ الفاظ ہوتے تھے،

جھاڑ پھونک کے الفاظ کو مؤثر سمجھنا

دوسری خرابی یہ تھی کہ اہل عرب ان الفاظ کو بذات خود مؤثر مانتے تھے، یعنی ان کا یہ عقیدہ نہیں تھا کہ اگر اللہ تعالیٰ تاثیر دیگا تو ان میں تاثیر ہو گی اور اللہ تعالیٰ کی تاثیر کے بغیر تاثیر نہیں ہو گی، بلکہ ان کا عقیدہ یہ تھا کہ ان الفاظ میں بذات خود تاثیر ہے، اور جو شخص یہ الفاظ بولے گا اس کو شفا ہو جائے گی۔ یہ دو خرابیاں تو تھیں ہی۔ اس کے علاوہ بسا اوقات وہ الفاظ ایسے ہوتے تھے کہ ان کے معنیٰ ہی سمجھ میں نہیں آتے تھے، بالکل مہمل قسم کے الفاظ ہوتے تھے، جن کے کوئی معنیٰ نہیں ہوتے تھے، وہ الفاظ بولے بھی جاتے تھے، اور ان الفاظ کو تعویذ کے اندر لکھا بھی جاتا تھا۔ درحقیقت ان الفاظ میں بھی اللہ کے سوا شیاطین اور جنات سے مدد مانگی جاتی تھی۔ ظاہر ہے کہ یہ سب شرک کی باتیں تھیں، اس لئے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جاہلیت کے جھاڑ پھونک کے طریقے کو منع فرما دیا۔ اور یہ فرمایا کہ جو لوگ اس قسم کے جھاڑ پھونک اور تعویذ گنڈوں میں مبتلا نہیں ہوتے، یہ وہ لوگ

ہوں گے جن کو اللہ تعالیٰ بلاحساب وکتاب جنت میں داخل فرمائیں گے۔ لہٰذا اس حدیث میں جس جھاڑ پھونک کا ذکر ہے اس سے وہ جھاڑ پھونک مراد ہے جس کا زمانہ جاہلیت میں رواج تھا۔

ہر مخلوق کی خاصیت اور طاقت مختلف

اس کی تھوڑی سی حقیقت بھی سمجھ لیجئے کہ یہ کارخانہ حیات یہ کائنات کا پورا نظام اللہ تعالیٰ کا بنایا ہوا ہے، اور اللہ تعالیٰ نے مختلف چیزوں میں مختلف خاصیتیں اور مختلف تاثیریں رکھ دی ہیں، مثلاً پانی کے اندر یہ تاثیر رکھی ہے کہ وہ پیاس بجھاتا ہے، آگ کے اندر جلانے کی خاصیت رکھ دی ہے، اگر اللہ تعالیٰ یہ تاثیر آگ سے نکال دیں تو آگ جلانا چھوڑ دے گی، حضرت ابراہیم علیہ السلام کے لئے اسی آگ کو اللہ تعالیٰ نے گلزار بنا دیا تھا۔ ہوا کے اندر تاثیر الگ رکھی ہے۔ مٹی کی تاثیر الگ ہے۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ نے مختلف قسم کی مخلوقات پیدا فرما دی ہیں، انسان، جنّات، جانور، شیاطین، وغیرہ، اور ان میں سے ہر ایک کو کچھ طاقت دے رکھی ہے، انسان کو طاقت دے رکھی ہے، گدھے گھوڑے کو بھی طاقت دے رکھی ہے، شیر اور ہاتھی کو بھی طاقت دے رکھی ہے، اور ہر ایک کی طاقت کا معیار اور پیمانہ مختلف ہے، شیر جتنا طاقتور ہے، انسان اتنا طاقتور نہیں ہے، سانپ کے اندر زہر رکھ دیا، اگر وہ کسی کو کاٹ لے تو وہ مر جائے، اسی طرح بچھو کے اندر زہر رکھ دیا ہے، لیکن اس کے کاٹنے سے مرتا نہیں، بلکہ تکلیف ہوتی ہے۔ بہر حال ہر

خاصیتیں مختلف ہیں، اور طاقتیں مختلف ہیں۔

جنّات اور شیاطین کی طاقت

اسی طرح جنّات اور شیاطین کو بھی اللہ تعالیٰ نے کچھ طاقتیں دے رکھیں ہیں، وہ طاقتیں انسان کے لئے باعثِ تعجب ہوتی ہیں، مثلاً جنّات کو اور شیاطین کو یہ طاقت حاصل ہے کہ وہ کسی کو نظر نہ آئے، یہ طاقت انسان کو حاصل نہیں، اگر انسان یہ چاہے کہ میں کسی کو نظر نہ آؤں، تو وہ ایسی صورت حاصل نہیں کرسکتا۔ اگر انسان یہ چاہے کہ میں ایک لمحہ میں یہاں سے اڑ کر امریکہ چلا جاؤں تو یہ طاقت اس کو حاصل نہیں ہے۔ لیکن بعض جنّات اور شیاطین کو اللہ تعالیٰ نے یہ طاقت دے رکھی ہے۔ یہ شیاطین لوگوں کو گمراہ کرنے کے لئے اور ان کو اللہ تعالیٰ کے دین سے پھیرنے کے لئے بعض اوقات انسانوں کو ایسے کلمات کہنے کی ترغیب دیتے ہیں جو شرک والے ہیں، وہ شیاطین انسانوں سے یہ کہتے ہیں کہ اگر تم وہ کلمات کہو گے جو شرک والے ہیں اور نعوذ باللہ۔ اللہ تعالیٰ کی شان میں گستاخی کرو گے تو ہم خوش ہوں گے، اور جو طاقت اللہ تعالیٰ نے ہمیں دے رکھی ہے، اس کو تمہارے حق میں استعمال کریں گے۔

اس عمل کا دین سے کوئی تعلق نہیں

مثلاً فرض کریں کہ کسی کی کوئی چیز گم ہوگئی ہے، اور وہ بیچارہ ڈھونڈتا پھر رہا ہے، اب اگر کسی جنّ یا شیطان کو پتہ چل گیا کہ وہ کہاں پڑی ہوئی ہے تو وہ اس

چیز کو اٹھا کر ایک منٹ میں لا سکتا ہے، اللہ تعالیٰ نے اس کو یہ طاقت دی ہے۔ اس شیطان نے اپنے معتقدین سے یہ کہہ رکھا ہے کہ اگر تم یہ کلمات کہو گے تو میں تمہاری مدد کروں گا، اور وہ چیز لا کر دیدوں گا۔ اس کا نام "جادو" اس کا نام "سحر اور "کہانت" ہے، اور اسی کو "سفلی" عمل بھی کہا جاتا ہے، اس عمل کا تعلق نہ کسی نیکی سے ہے، نہ تقوی سے، نہ دین سے ہے، اور نہ ہی ایمان سے، بلکہ بدترین کا فر بھی اس طرح کے شعبدے دکھا دیتے ہیں، اس وجہ سے کہ ان کے ہاتھ میں بعض جنات اور شیاطین مسخر ہیں، وہ جنات ان کا کام کر دیتے ہیں، لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ یہ بہت پہنچا ہوا آدمی ہے، اور بڑا نیک آدمی ہے، حالانکہ اس عمل کا روحانیت سے کوئی تعلق نہیں، بلکہ اس عمل کے لئے ایمان بھی ضروری نہیں، اسی لئے سفلی عمل اور سحر کو حدیث شریف میں سختی کے ساتھ منع فرمایا ہے، اور سحر کرنے والے کی نوبت کفر تک پہنچتی ہے۔ بہر حال یہ طریقہ جو زمانہ جاہلیت میں رائج تھا، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو منع فرمایا کہ اگر اللہ پر ایمان ہے، اگر اللہ تعالیٰ کی قدرت پر ایمان ہے تو پھر یہ شرکیہ کلمات کہہ کر اور فضول مہمل کلمات ادا کر کے شیاطین کے ذریعہ کام کرانا شریعت میں ناجائز اور حرام ہے، اور کسی مسلمان کا یہ کام نہیں ہے۔

بیمار پر پھونکنے کے مسنون الفاظ

لیکن ساتھ ہی رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس قسم کے منتروں کے

بجائے اور شرکیہ کلمات کے بجائے آپ نے خود اللہ جل شانہ کے نام مبارک سے جھاڑ پھونک کیا۔ اور صحابہ کرام کو یہ طریقہ سکھایا، چنانچہ آپ نے فرمایا کہ جب کوئی شخص بیمار ہو جائے تو یہ کلمات کہو :

اَللّٰھُمَّ رَبَّنَا اَذْھِبِ الْبَاْسَ وَاشْفِ اَنْتَ الشَّافِیُ

لَا شِفَاءَ اِلَّا شِفَاءُ کَ ، شِفَاءً لَا یُغَادِرُ سَقَمًا

(ابوداؤد، کتاب الطب، باب فی التمائم)

اور بعض اوقات آپ نے کلمات سکھا کر فرمایا کہ ان کلمات کو پڑھ کر تھوکو، اور اس کے ذریعہ جھاڑو، آپ نے خود بھی اس پر عمل فرمایا، اور صحابہ کرام کو اس کی تلقین بھی فرمائی۔

معوّذتین کے ذریعہ دم کرنے کا معمول

حضرت عائشہ صدّیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا روزانہ کا معمول تھا کہ رات کو سونے سے پہلے معوّذتین پڑھتے، اور بعض روایات میں " قُلْ یَا اَیُّھَا الْکٰفِرُوْنَ " کا بھی اضافہ ہے، یعنی "قُلْ یَا اَیُّھَا الْکٰفِرُوْنَ" اور "قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ" اور "قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ" ان تینوں سورتوں کو تین تین مرتبہ پڑھتے، اور پھر اپنے دونوں ہاتھوں پر پھونک مارتے، اور پھر پورے جسم پر ہاتھ پھیرتے۔ یہ جھاڑ پھونک خود حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمائی۔ اور آپ نے یہ بھی فرمایا کہ اس عمل کے ذریعہ

شیطانی اثرات سے حفاظت رہتی ہے، سحر سے اور فضول حملوں سے انسان محفوظ رہتا ہے۔

مرض وفات میں اس معمول پر عمل

ایک اور حدیث میں حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ جب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم مرضِ وفات میں تھے، اور صاحبِ فراش تھے، اور اتنے کمزور ہوگئے تھے کہ اپنا دست مبارک پوری طرح اٹھانے پر قادر نہیں تھے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ مجھے خیال آیا کہ رات کا وقت ہے، اور سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم ساری عمر یہ عمل فرماتے رہے کہ معوذتین پڑھ کر اپنے ہاتھوں پر دم فرماتے تھے، اور پھر ان ہاتھوں کو سارے جسم پر پھیرتے تھے۔ لیکن آج آپ کے اندر یہ طاقت نہیں کہ یہ عمل فرمائیں۔ چنانچہ میں نے خود معوذتین پڑھ کر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے دست مبارک پر دم کیا، اور آپ ہی کے دست مبارک کو آپ کے جسم مبارک پر پھیر دیا، اس لئے کہ اگر میں اپنے ہاتھوں کو آپ کے جسم مبارک پر پھیرتی تو اس کی اتنی تاثیر اور اتنا فائدہ نہ ہوتا جتنا فائدہ خود آپ کے دست مبارک پھیرنے سے ہوتا۔ اور بھی متعدد مواقع پر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ تلقین فرمائی کہ اگر جھاڑ پھونک کرنی ہے تو اللہ کے کلام سے کرو، اور اللہ کے نام سے کرو، اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کے نام میں یقیناً جو تاثیر ہے وہ شیاطین کے شرکیہ کلام میں کہاں ہوسکتی ہے۔ لہٰذا آپ نے اللہ کی

اجازت عطا فرمائی۔

حضرت ابو سعید خُدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ایک واقعہ

روایات میں حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ایک واقعہ آتا ہے کہ ایک مرتبہ صحابہ کرام کا ایک قافلہ کہیں سفر پر جارہا تھا، راستے میں ان کا زادراہ، کھانے پینے کا سامان ختم ہوگیا، راستے میں غیر مسلموں کی ایک بستی پر اس قافلے کا گزر ہوا، انہوں نے جاکر بستی والوں سے کہا کہ ہم مسافر لوگ ہیں، اور کھانے پینے کا سامان ختم ہوگیا ہے، اگر تمہارے پاس کچھ کھانے پینے کا سامان ہو تو ہمیں دیدو، ان لوگوں نے شاید مسلمانوں سے تعصب اور مذہبی دشمنی کی بنیاد پر کھانا دینے سے انکار کردیا کہ ہم تمہاری مہمانی نہیں کرسکتے۔ صحابہ کرام کے قافلے نے بستی کے باہر پڑاؤ ڈال دیا، رات کا وقت تھا، انہوں نے سوچا کہ رات یہاں پر گزار کر صبح کسی اور جگہ پر کھانا تلاش کریں گے۔

سردار کو سانپ نے ڈس لیا

اللہ کا کرنا ایسا ہوا کہ اس بستی کے سردار کو سانپ نے کاٹ لیا، اب بستی والوں نے سانپ کے کاٹنے کے جتنے علاج تھے، وہ سب آزما لیے، لیکن اس کا زہر نہیں اترتا تھا، کسی نے ان سے کہا کہ سانپ کا زہر اتارنے کے لئے جھاڑ پھونک کی جاتی ہے، اگر جھاڑ پھونک جاننے والا ہو تو اس کو بلایا جائے، تاکہ وہ

آکر زہر اتارے۔ انہوں نے کہا کہ بستی میں تو جھاڑ پھونک کرنے والا کوئی نہیں ہے، کسی نے کہا کہ وہ قافلہ جو بستی کے باہر ٹھہرا ہوا ہے، وہ مولوی قسم کے لوگ معلوم ہوتے ہیں، ان کے پاس جا کر معلوم کرو، شاید ان میں سے کوئی شخص سانپ کی جھاڑ جانتا ہو، چنانچہ بستی کے لوگ حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس آئے، اور پوچھا کہ کیا آپ میں کوئی شخص ہے جو سانپ کے ڈسے کو جھاڑ دے، بستی کے ایک شخص کو سانپ نے ڈس لیا ہے۔ حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ ٹھیک ہے میں جھاڑ دوں گا، لیکن تم لوگ بہت بخیل ہو کہ ایک مسافر قافلہ آیا ہوا ہے، تم سے کہا کہ ان کے کھانے پینے کا انتظام کر دو، تم نے ان کے کھانے کا کوئی انتظام نہیں کیا۔ بستی والوں نے کہا کہ ہم بکریوں کا پورا گلہ آپ کو دیدیں گے، لیکن ہمارے آدمی کا تم علاج کر دو۔

سورۂ فاتحہ سے سانپ کا زہر اتر گیا

چنانچہ حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ خود اپنا واقعہ سناتے ہیں کہ مجھے جھاڑ پھونک تو کچھ نہیں آتا تھا۔ لیکن میں نے سوچا کہ اللہ تعالیٰ کے کلام میں یقیناً برکت ہوگی، اس لئے میں ان لوگوں کے ساتھ بستی میں گیا، اور وہاں جا کر سورۂ فاتحہ پڑھ کر دم کرتا رہا، سورۂ فاتحہ پڑھتا اور دم کرتا، اللہ تعالیٰ کا کرنا ایسا ہوا کہ اس کا زہر اتر گیا، اب وہ لوگ بہت خوش ہوئے، اور بکریوں کا ایک گلہ ہمیں دیدیا، ہم نے بکریوں کا گلہ ان سے لے تو لیا، لیکن بعد میں خیال آیا کہ ہمارے لئے ایسا

کرنا جائز بھی ہے یا نہیں؟ اور یہ بکریاں ہمارے لئے حلال بھی ہیں یا نہیں؟ لہٰذا جب تک حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے نہ پوچھ لیں، اس وقت تک ان کو استعمال نہیں کریں گے۔

(بخاری، کتاب الطب، باب النفث فی الرقیۃ)

جھاڑ پھونک پر معاوضہ لینا

چنانچہ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے تو سارا واقعہ سنایا، اور پوچھا کہ یا رسول اللہ، اس طرح بکریوں کا گلہ ہمیں حاصل ہوا ہے، ہم اس کو رکھیں یا نہ رکھیں؟ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تمہارے لئے اس کو رکھنا جائز ہے، لیکن یہ بتاؤ کہ تمہیں یہ کیسے پتہ چلا کہ سانپ کے کاٹنے کا یہ علاج ہے؟ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ یا رسول اللہ، میں نے سوچا کہ بے ہودہ قسم کے کلام میں تاثیر ہوسکتی ہے تو اللہ کے کلام میں تو بطریق اولیٰ تاثیر ہوگی، اس وجہ سے میں سورۂ فاتحہ پڑھتا رہا، اور دم کرتا رہا، اللہ تعالیٰ نے اس سے فائدہ پہنچادیا، سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم ان کے اس عمل سے خوش ہوئے، اور ان کی تائید فرمائی، اور بکریوں کا گلہ رکھنے کی بھی اجازت عطا فرمائی۔ اب دیکھئے، اس واقعے میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جھاڑ پھونک کی نہ صرف تائید فرمائی، بلکہ اس عمل کے نتیجے میں بکریوں کا جو گلہ بطور انعام کے ملا تھا، اس کو رکھنے کی اجازت

عطا فرمائی، اس قسم کے بے شمار واقعات ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے خود بھی یہ عمل فرمایا اور صحابہ کرام سے بھی کرایا۔ یہ تو جھاڑ پھونک کا قضیہ ہوا۔

تعویذ کے مسنون کلمات

اب تعویذ کی طرف آیئے، تعویذ کاغذ پر لکھے جاتے ہیں، اور ان کو کبھی پیا جاتا ہے، اور کبھی گلے اور بازو میں باندھا جاتا ہے، کبھی جسم کے کسی اور حصے پر استعمال کیا جاتا ہے، خوب سمجھ لیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے تو یہ ثابت نہیں کہ آپ نے کوئی تعویذ لکھا ہو، لیکن صحابہ کرام سے تعویذ لکھنا ثابت ہے، چنانچہ حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بہت سے صحابہ کرام کو یہ کلمات سکھائے تھے کہ:

﴿اَعُوْذُ بِکَلِمَاتِ اللّٰهِ التَّامَّاتِ مِنْ شَرِّ مَا خَلَقَ
وَ اللّٰهُ خَيْرٌ حَافِظًا وَ هُوَ اَرْحَمُ الرَّاحِمِيْنَ﴾

چنانچہ حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ تعالیٰ عنہ جو یہودی سے مسلمان ہوئے تھے، اور یہودی ان کے دشمن تھے، اور ان کے خلاف جادو وغیرہ کرتے رہتے تھے، تو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو یہ کلمات سکھاتے ہوئے فرمایا تھا کہ تم یہ کلمات خود پڑھا کرو، اور اپنے اوپر اس کا دم کرلیا کرو، پھر انشاء اللہ کوئی جادو تم پر اثر نہیں کرے گا۔ چنانچہ وہ یہ کلمات پڑھا کرتے تھے۔

ان کلمات کے فائدے

اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی فرمایا تھا کہ اگر رات کو سوتے ہوئے کسی کی آنکھ گھبراہٹ سے کھل جائے، اور اس کو خوف محسوس ہو تو اس وقت یہ کلمات پڑھ لے۔ چنانچہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے اپنی بڑی اولاد کو تو یہ کلمات سکھادیے ہیں، اور یاد کرادیے ہیں، تاکہ اس کو پڑھ کر وہ اپنے اوپر دم کرتے رہا کریں، اور اس کے نتیجے میں وہ اللہ تعالیٰ کی حفاظت میں رہیں، اور جو میرے چھوٹے بچے ہیں وہ یہ کلمات خود سے نہیں پڑھ سکتے، ان کے لئے میں نے یہ کلمات کاغذ پر لکھ کر ان کے گلے میں ڈال دیے ہیں۔ یہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا اثر ہے، اور ثابت ہے۔ اور حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے منقول ہے کہ اگر کسی عورت کی ولادت کا وقت ہو تو ولادت میں سہولت پیدا کرنے کے لئے تشتری یا صاف برتن میں یہ کلمات لکھ کر اس کو دھو کر اس خاتون کو پلا دیا جائے تو اللہ تعالیٰ اس کی برکت سے ولادت میں سہولت فرمادیتے ہیں، اسی طرح بہت سے صحابہ اور تابعین سے منقول ہے کہ وہ لکھ کر لوگوں کو تعویذ دیا کرتے تھے۔

اصل سنّت ''جھاڑ پھونک'' کا عمل ہے

لیکن ایک بات یاد رکھنی چاہیے جو حکیم الامّت حضرت مولانا اشرف علی

صاحب تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمائی ہے، اور احادیث سے یقیناً وہی بات ثابت ہوتی ہے، وہ یہ کہ تعویذ کا فائدہ ثانوی درجے کا ہے، اصل فائدے کی چیز ''جھاڑ پھونک'' ہے، جو براہ راست رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے، یہ عمل آپ نے خود فرمایا، اور صحابہ کرام کو اس کی تلقین فرمائی، اس عمل میں زیادہ تاثیر اور زیادہ برکت ہے، اور تعویذ اس جگہ استعمال کیا جائے جہاں آدمی وہ کلمات خود نہ پڑھ سکتا ہو، اور نہ دوسرا شخص پڑھ کر دم کر سکتا ہو، اس موقع پر تعویذ دیدیا جائے، ورنہ اصل تاثیر ''جھاڑ پھونک'' میں ہے۔ بہرحال صحابہ کرام سے دونوں طریقے ثابت ہیں۔

کون سے ''تمائم'' شرک ہیں

بعض لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ تعویذ لٹکانا شرک ہے، اور گناہ ہے، اس کی وجہ ایک حدیث ہے جس کا مطلب لوگ صحیح نہیں سمجھتے، اس کے نتیجے میں وہ تعویذ لٹکانے کو ناجائز سمجھتے ہیں، چنانچہ حدیث شریف میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :

اِنَّ الرُّقٰی وَالتَّمَائِمَ وَالتِّوَلَۃَ شِرْکٌ

(ابوداؤد، کتاب الطب، باب فی التمائم)

''تمائم'' تمیمۃ کی جمع ہے، اور عربی زبان میں ''تمیمۃ'' کے جو معنی ہیں اردو میں اس کے لئے کوئی لفظ نہیں تھا، اس لئے لوگوں نے غلطی سے اس کے معنی ''تعویذ'' سے کر دیئے، اس کے نتیجے میں اس حدیث کے معنی یہ ہوئے کہ ''تعویذ شرک ہے''

اب لوگوں نے اس بات کو پکڑلیا کہ ہر قسم کا تعویذ شرک ہے۔ حالانکہ یہ بات صحیح نہیں "تمیمة" عربی زبان میں سیپ کی ان کوڑیوں کو کہا جاتا ہے جن کو زمانہ جاہلیت میں لوگ دھاگے میں پروکر بچوں کے گلوں میں ڈال دیا کرتے تھے، اور ان کوڑیوں پر مشرکانہ منتر پڑھے جاتے تھے، اور دوسری طرف یہ کہ ان کوڑیوں کو بذات خود مؤثر سمجھا جاتا تھا، یہ ایک مشرکانہ عمل تھا، جس کو "تمیمة" کہا جاتا تھا، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی ممانعت فرمائی کہ تمائم شرک ہے۔

جھاڑ پھونک کے لئے چند شرائط

لیکن جہاں تک اللہ تعالیٰ کے نام کے ذریعہ جھاڑ پھونک کا تعلق ہے، وہ خود حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے اور آپ کے صحابہ سے ثابت ہے، اس لئے وہ ٹھیک ہے، لیکن اس کے جواز کے لئے چند شرائط انتہائی ضروری ہیں، ان کے بغیر یہ عمل جائز نہیں۔

پہلی شرط

پہلی شرط یہ ہے کہ جو کلمات پڑھے جائیں ان میں کوئی کلمہ ایسا نہ ہو جس میں اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور سے مدد مانگی گئی ہو، اس لئے کہ بعض اوقات ان میں "یا فلاں" کے الفاظ ہوتے ہیں، اور اس جگہ پر اللہ کے علاوہ کسی اور کا نام ہوتا ہے، ایسا تعویذ، ایسا گنڈا، ایسی جھاڑ پھونک حرام ہے، جس میں غیر اللہ سے مدد لی گئی ہو۔

دوسری شرط

دوسری شرط یہ ہے کہ اگر جھاڑ پھونک کے الفاظ یا تعویذ میں لکھے ہوئے الفاظ ایسے ہیں جن کے معنی ہی معلوم نہیں کہ کیا معنی ہیں، ایسا تعویذ استعمال کرنا بھی ناجائز ہے، اس لئے کہ ہوسکتا ہے کہ وہ کوئی مشرکانہ کلمہ ہو، اور اس میں غیر اللہ سے مدد مانگی گئی ہو، یا اس میں شیطان سے خطاب ہو، اس لئے ایسے تعویذ بالکل ممنوع اور ناجائز ہیں۔

یہ رُقیہ حضور ﷺ سے ثابت ہے

البتہ ایک ''رقیہ'' ایسا ہے جس کے معنی ہمیں معلوم نہیں، لیکن حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی اجازت دی ہے، چنانچہ حدیث شریف میں آتا ہے کہ ایک صحابی نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے عرض کیا کہ ایک عمل ایسا ہے کہ اگر سانپ یا بچھو کسی کو کاٹ لے تو اس کے کاٹے کا اثر زائل کرنے کے لئے اور اس کے شر سے محفوظ رہنے کے لئے ہم یہ الفاظ پڑھتے ہیں کہ:

شَجَّةٌ قَرْنِيَّةٌ مِلْجَةُ بَحْرٍ قَطَّعْ

اب اس کے معنی تو ہمیں معلوم نہیں، لیکن جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر پیش کیا گیا تو آپ نے اس کو منع نہیں فرمایا، شاید یہ عبرانی زبان کے الفاظ ہیں۔ اور یہ حدیث صحیح سند کی ہے، اس لئے علماء کرام نے فرمایا کہ صرف یہ ایک ''رقیہ'' ایسا ہے جس کے معنی معلوم نہ ہونے کے باوجود اس کے ذریعہ جھاڑ پھونک بھی جائز

ہے، اور اس کے ذریعہ تعویذ لکھنا بھی جائز ہے۔ البتہ اس پر ایسا بھروسہ کرنا کہ گویا انہی کلمات کے اندر بذات خود تاثیر ہے، یہ حرام ہے، بلکہ ان کلمات کو ایک تدبیر سمجھے، اس سے زیادہ اس کی کوئی حقیقت نہیں۔

بہرحال، تعویذ اور جھاڑ پھونک کی یہ شرعی حقیقت ہے، لیکن اس معاملے میں افراط وتفریط ہو رہی ہے، ایک طرف تو وہ لوگ ہیں جو اس عمل کو حرام اور ناجائز کہتے ہیں، ان کی تفصیل تو عرض کردی۔

تعویذ دینا عالم اور متقی ہونے کی دلیل نہیں

دوسری طرف وہ لوگ ہیں جو یہ سمجھتے ہیں کہ بس سارا دین ان تعویذ گنڈوں کے اندر منحصر ہے، اور جو شخص تعویذ گنڈا کرتا ہے وہ بہت بڑا عالم ہے، وہ بہت بڑا نیک آدمی ہے، متقی اور پرہیزگار ہے، اسی کی تقلید کرنی چاہیے، اس کا معتقد ہونا چاہیے۔ اور جو شخص تعویذ گنڈا نہیں کرتا یا جس کو تعویذ گنڈا کرنا نہیں آتا اس کے بارے میں یہ سمجھتے ہیں کہ اس کو دین کا علم ہی نہیں۔ بہت سے لوگ میری طرف رجوع کرتے ہیں کہ فلاں مقصد کے لئے تعویذ دیدیجئے، میں ان سے جب کہتا ہوں کہ مجھے تو تعویذ دینا نہیں آتا تو وہ لوگ بہت حیران ہوتے ہیں، وہ یہ سمجھتے ہیں کہ یہ جو اتنا بڑا دارالعلوم بنا ہوا ہے، اس میں تعویذ گنڈے ہی سکھائے جاتے ہیں، اور اس میں جو درس ہوتے ہیں وہ سب تعویذ اور جھاڑ پھونک کے ہوتے ہیں، لہٰذا جس کو جھاڑ پھونک اور تعویذ گنڈا نہیں آتا، وہ یہاں پر اپنا وقت ضائع

کررہے ہیں۔اس لئے جواصل کام یہاں پر سیکھنے کا تھا،وہ تو اس نے سیکھا ہی نہیں۔

تعویذ گنڈے میں انہماک مناسب نہیں

ان لوگوں نے سارا دین تعویذ گنڈے میں سمجھ لیا ہے،اوران لوگوں کا خیال یہ ہے کہ دنیا کی کوئی غرض ایسی نہ ہو جس کا علاج کوئی تعویذ نہ ہو، چنانچہ ان کو ہر کام کے لئے ایک تعویذ چاہیے،فلاں کام نہیں ہورہا ہے،اس کے لئے کیا وظیفہ پڑھوں؟ فلاں کام کے لئے ایک تعویذ دیدیں۔لیکن ہمارے اکابر نے اعتدال کو ملحوظ رکھا کہ جس حد تک حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے عمل کیا،اس حد تک ان پر عمل کریں، یہ نہیں کہ دن رات آدمی یہی کام کرتا رہے،اور دین ودنیا کا ہر کام تعویذ گنڈے کے ذریعہ کرے،یہ بات غلط ہے،اگر یہ عمل درست ہوتا تو پھر سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کو جہاد کرنے کی کیا ضرورت تھی،بس کافروں پر کوئی ایسی جھاڑ پھونک کرتے کہ وہ سب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے قدموں میں آکر ڈھیر ہوجاتے۔آپ نے اس جھاڑ پھونک پر کبھی کبھی عمل بھی کیا ہے،لیکن اتنا غلو اورانہماک بھی نہیں کیا کہ ہر کام کے لئے تعویذ گنڈے کواستعمال فرماتے۔

ایک انوکھا تعویذ

حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کے پاس ایک دیہاتی آدمی آیا،اس کے دماغ میں یہی بسا ہوا تھا کہ مولوی اگر تعویذ گنڈا نہیں جانتا تو وہ بالکل

جاہل ہے، اس کو کچھ نہیں آتا، چنانچہ آپ کو بڑا عالم سمجھ کر آپ کے پاس آیا، اور کہا کہ مجھے تعویذ دیدو، مولانا نے فرمایا کہ مجھے تو تعویذ آتا نہیں، اس نے کہا کہ اجی نہیں مجھے دیدو، حضرت نے فرمایا کہ مجھے آتا نہیں تو کیا دیدوں؟ لیکن وہ پیچھے پڑ گیا کہ مجھے تعویذ دیدو، حضرت فرماتے ہیں کہ مجھے تو کچھ سمجھ میں نہیں آیا کہ کیا لکھوں، تو میں نے اس تعویذ میں لکھ دیا کہ ''یا اللہ یہ مانتا نہیں، میں جانتا نہیں، آپ اپنے فضل وکرم سے اس کا کام کر دیجئے'' یہ لکھ کر میں نے اس کو دیدیا کہ یہ لٹکا لے، اس نے لٹکا لیا، اللہ تعالیٰ نے اسی کے ذریعہ اس کا کام بنادیا۔

ٹیڑھی مانگ پر نرالا تعویذ

حضرت ہی کا واقعہ ہے کہ ایک عورت آئی، اور اس نے کہا کہ جب میں سر کے بال بناتی ہوں تو مانگ ٹیڑھی بن جاتی ہے، سیدھی نہیں بنتی، اس کا کوئی تعویذ دیدو۔ حضرت نے فرمایا کہ مجھے تعویذ آتا نہیں، اور اس کا کیا تعویذ ہوگا کہ مانگ سیدھی نہیں نکلتی، مگر وہ عورت پیچھے پڑ گئی، حضرت فرماتے ہیں کہ جب اس نے زیادہ اصرار کیا تو میں نے ایک کاغذ پر لکھ دیا: بسم اللہ الرحمٰن الرحیم، اھدنا الصراط المستقیم، اس کا تعویذ بنا کر پہن لو تو شاید تمہاری مانگ سیدھی ہو جائے، امید ہے کہ اللہ تعالیٰ نے سیدھی کر دی ہوگی۔ بعض اوقات اللہ تعالیٰ کا معاملہ اپنے نیک بندوں کے ساتھ یہ ہوتا ہے کہ جب ان کی زبان سے کوئی کلمہ نکل جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کو سچا کر دیتے ہیں۔ بہر حال، بزرگوں کے واقعات

اور حالات میں یہ جو لکھا ہوتا ہے کہ فلاں بزرگ نے یہ کلمہ لکھ دیا، اس سے فائدہ ہو گیا وہ اسی طرح ہے کہ اللہ تعالیٰ کے کسی نیک بندے سے کوئی درخواست کی گئی، اور اس کے دل میں یہ آیا کہ یہ کلمات لکھ دوں، شاید اس سے فائدہ ہو جائے، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اس کے ذریعہ فائدہ دیدیا۔

ہر کام تعویذ کے ذریعہ کرانا

آج کل یہ صورت حال یہ ہو گئی ہے کہ ہر وقت آدمی اسی جھاڑ پھونک کے دھندے میں لگا رہتا ہے، ہر وقت اسی تعویذ گنڈے کے چکر میں لگا رہتا ہے کہ صبح سے شام تک جو بھی کام ہو وہ تعویذ کے ذریعہ ہو، فلاں کام کا الگ تعویذ ہونا چاہیے، فلاں کام کا الگ تعویذ ہونا چاہیے ،ملازمت کا الگ تعویذ ہونا چاہیے، بیماری کا الگ تعویذ ہونا چاہیے، ہر چیز کا الگ تعویذ ہونا چاہیے، ہر چیز کی ایک الگ دعا ہونی چاہیے۔ تعویذ گنڈے میں اتنا انہماک اور غلو سنت کے خلاف ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی کبھی جھاڑ پھونک کی ہے، لیکن یہ نہیں تھا کہ دنیا کے ہر کام کے لئے جھاڑ پھونک کر رہے ہیں۔ کافروں کے ساتھ جہاد ہو رہے ہیں، لڑائی ہو رہی ہے، کہیں یہ منقول نہیں کہ کفار کو زیر کرنے کے لئے آپ نے کوئی جھاڑ پھونک کی ہو۔

تعویذ کرنا نہ عبادت نہ اس پر ثواب

ہاں: دعا ضرور فرماتے تھے، اس لئے کہ سب سے بڑی اور اصل چیز دعا ہے،

یادرکھیے،تعویذ اور جھاڑ پھونک کے ذریعہ علاج جائز ہے، مگر یہ عبادت نہیں، قرآن کریم کی آیات کواور قرآن کریم کی سورتوں کواور اللہ تعالیٰ کے ناموں کواپنے کسی دنیوی مقصد کے لئے استعمال کرنا زیادہ سے زیادہ جائز ہے، لیکن یہ کام عبادت نہیں، اوراس میں ثواب نہیں ہے، جیسے آپ کو بخار آیا، اورآپ نے دوا پی لی، تو یہ دوا پینا جائز ہے، لیکن دوا پینا عبادت نہیں، بلکہ ایک مباح کام ہے، اسی طرح تعویذ کرنا اور جھاڑ پھونک کرنا، اس تعویذ اور جھاڑ پھونک میں اگرچہ اللہ کا نام استعمال کیا، لیکن جب تم نے اس کواپنے دنیاوی مقصد کے لئے استعمال کیا تو اب یہ بذات خود ثواب اور عبادت نہیں۔

اصل چیز دعا کرنا ہے

لیکن اگر براہ راست اللہ تعالیٰ سے مانگو، اور دو رکعت صلوۃ الحاجۃ پڑھ کر اللہ تعالیٰ سے دعا کرو کہ یا اللہ: اپنی رحمت سے میرا یہ مقصد پورا فرمادیجئے، یا اللہ: میری مشکل حل فرمادیجئے، یا اللہ: میری یہ پریشانی دور فرمادیجئے، تو اس دعا کرنے میں ثواب ہی ثواب ہے، حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت یہ ہے کہ جب کوئی حاجت پیش آئے تو اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں دعا کرو، اور اگر دو رکعت صلوۃ الحاجۃ پڑھ کر دعا کرو تو زیادہ اچھا ہے، اس سے یہ ہوگا کہ جو مقصد ہے وہ اگر مفید ہے تو انشاء اللہ حاصل ہوگا، اور ثواب تو ہر حال میں ملے گا، اس لئے کہ دعا کرنا چاہے دنیا کی غرض سے ہو وہ ثواب کا موجب ہے، اس لئے کہ دعا کے بارے میں

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: " اَلدُّعَاءُ هُوَ الْعِبَادَةِ" دعا بذات خود عبادت ہے۔

تعویذ کرنے کو اپنا مشغلہ بنالینا

لہٰذا اگر کسی شخص کو ساری عمر جھاڑ پھونک کا طریقہ نہ آئے، تعویذ لکھنے کا طریقہ نہ آئے، لیکن وہ براہ راست اللہ تعالیٰ سے دعا کرے تو یقیناً اس کا یہ عمل اس تعویذ اور جھاڑ پھونک سے بدرجہا افضل اور بہتر ہے۔ لہٰذا ہر وقت تعویذ گنڈے میں لگے رہنا یہ عمل سنت کے مطابق نہیں۔ جو بات نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام سے جس حد تک ثابت ہے اس کو اسی حد پر رکھنا چاہیے، اس سے آگے نہیں بڑھنا چاہیے۔ اگر کبھی ضرورت پیش آئے تو اللہ تعالیٰ کا نام لے کر جھاڑ پھونک کرنے میں کوئی حرج نہیں، لیکن ہر وقت اس کے اندر انہماک اور غلو کرنا اور اس کو اپنا مشغلہ بنالینا کسی طرح بھی درست نہیں، بس، تعویذ گنڈوں کی یہ حقیقت ہے، اس سے زیادہ کچھ نہیں۔

روحانی علاج کیا ہے؟

اب لوگوں نے یہ تعویذ گنڈے، یہ عملیات، یہ وظیفے، اور جھاڑ پھونک ان کا نام رکھ لیا ہے "روحانی علاج" حالانکہ یہ بڑے مغالطے اور دھوکے میں ڈالنے والا نام ہے، اس لئے کہ روحانی علاج تو دراصل انسان کے اخلاق کی اصلاح کا نام تھا، اس کے ظاہری اعمال کی اصلاح اور اس کے باطن کے اعمال کی اصلاح کا نام تھا،

یہ اصل میں روحانی علاج تھا، مثلاً ایک شخص کے اندر تکبر ہے، اب یہ تکبر کیسے زائل ہو؟ یا مثلاً حسد پیدا ہو گیا ہے، وہ کیسے زائل ہو؟ یا مثلاً بغض پیدا ہو گیا ہے، وہ کیسے زائل ہو؟ حقیقت میں اس کا نام ''روحانی علاج'' ہے، لیکن آج اس تعویذ گنڈے کے علاج کا نام روحانی علاج رکھ دیا ہے، جو بڑے مغالطے والا عمل ہے۔

صرف تعویذ دینے سے پیر بن جانا

اور اگر کسی شخص کا تعویذ گنڈا اور جھاڑ پھونک اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے کامیاب ہو گیا تو اس شخص کے متقی اور پرہیز گار ہونے کی دلیل نہیں، اور نہ یہ اس بات کی دلیل ہے کہ یہ شخص دینی اعتبار سے مقتدیٰ بن گیا ہے، وہ تو اللہ تعالیٰ نے الفاظ میں تاثیر رکھ دی ہے، جو شخص بھی اس کو پڑھے گا، تاثیر حاصل ہو جائے گی۔ یہ بات اس لئے بتا دی کہ بعض اوقات لوگ یہ دیکھ کر کہ اس کے تعویذ بڑے کارگر ہوتے ہیں، اس کی جھاڑ پھونک بڑی کامیاب ہوتی ہے، اس کو ''پیر صاحب'' بنا لیتے ہیں، اور اس کو اپنا مقتدیٰ قرار دیتے ہیں، چاہے اس شخص کی زندگی شریعت کے احکام کے خلاف ہو، چاہے اس کی زندگی سنت کے مطابق نہ ہو، اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ اس کی اتباع کرنے والے بھی خلاف شرع امور کا ارتکاب کرتے ہیں۔

ایک عامل کا وحشت ناک واقعہ

میں نے خود اپنی آنکھوں سے ایک وحشت ناک منظر دیکھا، وہ یہ کہ ایک

مسجد میں جانا ہوا، معلوم ہوا کہ یہاں ایک عامل صاحب آئے ہوئے ہیں، نماز اور سنت وغیرہ پڑھ کر باہر نکلا تو دیکھا کہ باہر لوگوں کی دورویہ لمبی قطار لگی ہوئی ہے، اور عامل صاحب مسجد سے باہر نکلے، تو لوگ قطار میں کھڑے ہوئے تھے، انہوں نے اپنے منہ کھول دیے، اور پھر پیر صاحب نے ایک ایک شخص کے منہ کے اندر تھوکنا شروع کر دیا، ایک شخص داہنی طرف، پھر بائیں طرف کے منہ میں تھوکتے، اس طرح ہر شخص کے منہ میں اپنا بلغم اور تھوک ڈالتے جا رہے تھے، اور پھر آخر میں کچھ لوگ بالٹیاں، ڈونگے اور جگ لیے کھڑے تھے، اور ہر ایک اس انتظار میں تھا کہ پیر صاحب اس کے اندر تھوک دیں، تاکہ اس کی برکتیں اس کو حاصل ہو جائیں۔ یہ بات اس حد تک اس لئے پہنچی تھی کہ اس کے تعویذ گنڈے کارآمد ہوتے تھے۔

حاصلِ کلام

خدا کے لئے اس معاملے میں اپنے مزاج کے اندر اعتدال پیدا کریں، راستہ وہی ہے جو جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اختیار فرمایا، یا آپ کے صحابہ کرام نے اختیار فرمایا۔ اور یہ بات خوب اچھی طرح یاد رکھیں کہ اصل چیز براہ راست اللہ تعالیٰ سے دعا کرنا اور مانگنا ہے، کہ یا اللہ: میرا یہ کام کر دیجئے، اس سے بہتر کوئی تعویذ نہیں، اس سے بہتر کوئی کام نہیں۔ اور یہ جھاڑ پھونک اور یہ تعویذ کوئی عبادت نہیں، بلکہ علاج کا ایک طریقہ ہے، اس پر کوئی اجر وثواب مرتب نہیں ہوتا،

یہی وجہ ہے کہ اس کی اجرت لینا، دینا بھی جائز ہے، اگر یہ عبادت ہوتی تو اس پر اجرت لینا جائز نہ ہوتا، کیونکہ کسی عبادت پر اجرت لینا جائز نہیں، مثلاً کوئی شخص تلاوت کرے، اور اس پر اجرت لے تو یہ حرام ہے، لیکن تعویذ پر اجرت لینا جائز ہے۔ بہر حال، اگر واقعۃً ضرورت پیش آجائے تو حدود و قیود میں رہ کر اس کو استعمال کر سکتے ہیں، لیکن اس کی حدود و قیود سے آگے بڑھنا، اور ہر وقت انہی تعویذ گنڈوں کی فکر میں رہنا یہ کوئی سنت کا طریقہ نہیں، اور حدیث شریف میں یہ جو فرمایا کہ وہ لوگ بلا حساب و کتاب کے جنت میں داخل ہوں گے، جو جھاڑ پھونک نہیں کرتے اس حدیث کے ایک معنی تو میں نے بتادیے کہ اس سے زمانہ جاہلیت میں کی جانے والی جھاڑ پھونک مراد ہے، اور بعض علماء نے فرمایا کہ ایک حدیث میں یہ اشارہ بھی موجود ہے کہ جو جائز جھاڑ پھونک ہے اس میں بھی غلو اور مبالغہ، اور اس میں زیادہ انہماک بھی پسندیدہ نہیں، بلکہ آدمی اصل بھروسہ اللہ تعالیٰ پر رکھے، اور جب ضرورت پیش آئے تو اللہ تعالیٰ سے دعا کرے، یہی بہترین علاج ہے، اس کے نتیجے میں یہ بشارت بھی حاصل ہوگی، جو اس حدیث کا میں بیان کی گئی ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے ہم سب کو اس کا مصداق بنادے، اور ہم سب کو اللہ تعالیٰ جنت میں بلا حساب داخلہ نصیب فرمادے۔ آمین

و آخر دعوانا ان الحمد للّٰہ ربّ العٰلمین

تزکیہ کیا چیز ہے؟

شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہم

ضبط و ترتیب
محمد عبداللہ میمن

میمن اسلامک پبلشرز
۱۸۸/۱۔ لیاقت آباد، کراچی ۱۹

مقام خطاب : جامع مسجد بیت المکرّم
گلشن اقبال کراچی

وقت خطاب : بعد نماز عصر تا مغرب

اصلاحی خطبات : جلد نمبر : ۱۵

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ط

''تزکیہ'' کیا چیز ہے؟

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ نَحْمَدُهٗ وَ نَسْتَعِیْنُهٗ وَ نَسْتَغْفِرُهٗ وَ نُؤْمِنُ بِهٖ وَنَتَوَكَّلُ عَلَیْهِ وَنَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَیِّئَاتِ اَعْمَالِنَا ۔ مَنْ یَّهْدِهِ اللّٰهُ فَلاَ مُضِلَّ لَهٗ وَمَنْ یُّضْلِلْهُ فَلاَ هَادِیَ لَهٗ وَأَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَاشَرِیْكَ لَهٗ وَأَشْهَدُ اَنَّ سَیِّدَنَا وَنَبِیَّنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّداً عَبْدُهٗ وَ رَسُوْلُهٗ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَیْهِ وَعَلٰى اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَبَارَكَ وَسَلَّمَ تَسْلِیْمًا كَثِیْرًا ۔

أَمَّا بَعْدُ! فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ ○ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ○ قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ○الَّذِیْنَ هُمْ فِیْ صَلاَتِهِمْ خٰشِعُوْنَ○ وَالَّذِیْنَ هُمْ عَنِ اللَّغْوِ مُعْرِضُوْنَ ○ وَالَّذِیْنَ هُمْ لِلزَّكٰوةِ فٰعِلُوْنَ○ (سورۃ المؤمنون: ۱-۴)

آمنت باللّٰہ صدق اللّٰہ مولانا العظیم وصدق
رسولہ النبی الکریم ونحن علی ذٰلک من
الشاھدین والشاکرین والحمدللّٰہ ربّ العٰلمین

تمہید

بزرگانِ محترم و برادرانِ عزیز! سورۃ مؤمنون کی ابتدائی آیات کی تفسیر اورتشریح کافی عرصہ سے چل رہی ہے، ان آیتوں کا اس لئے انتخاب کیا گیا ہے کہ ان آیتوں میں اللہ جل شانہ نے وہ بنیادی صفات بیان فرمائی ہیں جو اللہ تعالیٰ کوایک مسلمان سے مطلوب ہیں اور اللہ تعالیٰ یہ چاہتے ہیں کہ میرے مؤمن بندے ان صفات کے حامل ہوں اور یہ صفات اپنے اندر پیدا کریں۔ اور ساتھ ہی اللہ تعالیٰ نے یہ بھی فرمایا کہ جو ان صفات کے حامل ہوں گے اور جو یہ کام کریں گے ان کوفلاح حاصل ہوگی اور کامیابی حاصل ہوگی۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو ان صفات کا حامل بنائے اور یہ کام کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

تین صفات کا بیان

ان صفات میں سے پہلی صفت یہ بیان فرمائی کہ وہ لوگ اپنی نمازوں میں خشوع اختیار کرتے ہیں، اس کی تفصیل بقدرِ ضرورت الحمدللہ بیان ہوچکی۔ دوسری صفت یہ بیان فرمائی کہ وہ لوگ لغو اور بے ہودہ اور فضول کاموں میں نہیں پڑتے، یعنی اپنا وقت بے فائدہ کاموں میں صرف کرنے کو پسند نہیں کرتے، فضول کاموں سے اعراض کرتے ہیں، اس کا بیان بھی الحمدللہ تفصیل

سے ہو چکا۔ تیسری صفت اس آیت میں بیان فرمائی:

وَالَّذِیْنَ ھُمْ لِلزَّکٰوۃِ فٰعِلُوْنَ۔

اس آیت کی تشریح کرتے ہوئے میں نے یہ عرض کیا تھا کہ اس آیت کے دو مطلب ہو سکتے ہیں، ایک مطلب یہ ہے کہ وہ لوگ زکوٰۃ ادا کرتے ہیں، اس لئے کہ زکوٰۃ بھی بڑا اہم فریضہ ہے اور دین کے ستونوں میں سے ایک اہم ستون ہے۔ اس کے بارے میں پچھلے دو تین جمعوں میں تفصیل سے عرض کر دیا ہے اور اس کے بارے میں جو ضروری مسائل تھے وہ بھی بیان کر دیئے۔ آج اس آیت کا دوسرا مطلب عرض کرنا ہے۔

آیت کا دوسرا مطلب

عربی زبان کے اعتبار سے اس کا ایک دوسرا مطلب بھی ہو سکتا ہے۔ وہ مطلب یہ ہے کہ "یہ وہ لوگ ہیں جو اپنے آپ کو پاک کرتے ہیں اور پاکی اختیار کرتے ہیں۔ یہاں بھی یہی مسئلہ ہے کہ جب ہم عربی سے اردو ترجمہ کرتے ہیں تو عربی لفظ کے مفہوم کو ادا کرنے کے لئے اردو میں صحیح لفظ نہیں ملتا، ہمارے پاس چونکہ لفظ "زکوٰۃ" کے لئے کوئی اور لفظ نہیں ہے، اس لئے ہم اس آیت کا یہ ترجمہ کرتے ہیں کہ یہ وہ لوگ ہیں جو پاکی اختیار کرتے ہیں۔ لیکن یہاں پر پاکی سے جسم کی پاکی مراد نہیں، کیونکہ جسم کی پاکی کے لئے عربی زبان میں "طہارت" کا لفظ بولا جاتا ہے بلکہ اس سے "اخلاق" کی پاکیزگی مراد ہوتی ہے، اس کو عربی زبان میں "زکوٰۃ" اور "تزکیہ" کہا جاتا ہے۔ اس معنٰی کے لحاظ سے آیت: وَالَّذِیْنَ ھُمْ لِلزَّکٰوۃِ فٰعِلُوْنَ۔ کا ترجمہ یہ ہوگا کہ یہ وہ لوگ

ہیں جو اپنے اخلاق کو پاک صاف رکھتے ہیں اور ان کو پاکیزہ بناتے ہیں اور اخلاق کے اندر جو گندگیاں اور نجاستیں شامل ہو جاتی ہیں، ان سے وہ اپنے آپ کو پاک کرتے ہیں۔ اس معنٰی کے لحاظ سے اس آیت کا مفہوم بڑا وسیع ہے اور اس کا پس منظر بڑا ہمہ گیر ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے چار مقاصد

لیکن اس بات کو سمجھنے سے پہلے یہ جان لیجئے کہ قرآن کریم نے کم از کم چار جگہوں پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے فرائض منصبی بیان فرمائے ہیں، اس میں یہ بتایا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے اس دنیا میں کیوں بھیجا؟ کیا کام آپ کے سپرد کئے گئے؟ کیا کام آپ کو انجام دینے تھے؟ قرآن کریم نے چار مقامات پر ان کاموں کو بیان فرمایا ہے، چنانچہ سورۃ بقرہ میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِكَ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ
وَيُزَكِّيْهِمْ اِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ○

(سورۃ البقرہ، آیت ۱۲۹)

اس آیت میں سب سے پہلا کام یہ بیان فرمایا: يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِكَ ۔ یعنی ہم نے آپ کو اس لئے بھیجا تاکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں کے سامنے اللہ تعالیٰ کی آیات تلاوت کریں۔ دوسرا کام یہ بیان فرمایا: وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ ۔ یعنی ہم نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس لئے بھیجا تاکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کی آیات کی لوگوں کو تعلیم دیں، کیونکہ ہماری کتاب کو لوگ براہ راست سمجھ نہیں

سکیں گے۔ تیسرا کام یہ بیان فرمایا: وَالْحِكْمَةَ۔ اور تاکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں کو حکمت کی تعلیم دیں، دانائی اور عقل مندی کی باتوں کی تعلیم دیں۔ چوتھا کام یہ بیان فرمایا: وَيُزَكِّيهِمْ۔ اور ہم نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس لئے بھیجا تاکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں کا تزکیہ کریں اور ان کو پاک صاف اور پاکیزہ بنائیں۔

تزکیہ کی ضرورت کیوں؟

اب آپ غور کریں کہ اس آیت میں تزکیہ کے بیان سے پہلے قرآن کریم کی آیات تلاوت کرنے کا ذکر آ گیا، اس کے بعد قرآن کریم کی تعلیم دینے اور سکھانے کا ذکر آ گیا، اس کے بعد حکمت کی باتیں سکھانے کا ذکر آ گیا، لیکن قرآن کریم کہتا ہے کہ تنہا یہ تین کام کافی نہیں، ہیں بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا چوتھا کام یہ ہے کہ لوگوں کے اعمال و اخلاق کو پاکیزہ بنائیں؟ اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ جب آپ نے قرآن کریم نے سکھا دیا اور اس کا مطلب سمجھا دیا اور حکمت کی باتیں بتادیں پھر یہ اضافی کام کیوں بتایا کہ آپ لوگوں کو پاک صاف کریں؟

تھیوریکل (لکھائی پڑھائی کی) تعلیم کے بعد ٹریننگ ضروری ہے

اس کا جواب سمجھنے کے لئے پہلے یہ بات جان لیں کہ دنیا میں جتنے علوم و فنون اور ہنر ہیں، ان کی ایک نظریاتی اور تھیوریکل تعلیم ہوتی ہے کہ اس میں اس علم کی تھیوری اور نظریہ بتادیا، اس کو ''تعلیم'' کہا جاتا ہے، لیکن دنیا کے کسی فن کو

سمجھنے کے لئے محض نظریاتی تعلیم کافی نہیں ہوتی جب تک اس کی عملی تربیت اور عملی ٹریننگ نہ دی جائے۔ آپ اگر ڈاکٹر بننا چاہتے ہیں تو کیا میڈیکل سائنس کی کتابیں پڑھ لینے سے آپ ڈاکٹر بن جائیں گے؟ نہیں، بلکہ اگر آپ نے میڈیکل سائنس کا پورا کورس پڑھ لیا اور نظریاتی طور پر سمجھ بھی لیا کہ کیا کیا بیماریاں ہوتی ہیں اور ان کے اسباب کیا ہوتے ہیں؟ ان کا علاج کیا ہوتا ہے؟ اگر یہ سب تفصیلات آپ نے معلوم کرلیں تب بھی آپ ڈاکٹر نہیں بنیں گے، آپ ڈاکٹر اس وقت بنیں گے جب آپ کسی ماہر ڈاکٹر کے ساتھ رہ کر تربیت لے لیں کہ کس طرح علاج کیا جاتا ہے اور کس طرح مرض کی تشخیص کی جاتی ہے اور کس طرح دوائیں تجویز کی جاتی ہیں اور کس طرح مریض کے ساتھ سلوک کیا جاتا ہے، جب تک آپ یہ تربیت حاصل نہیں کریں گے، اس وقت تک آپ علاج کرنے کے قابل نہیں بنیں گے، یہی وجہ ہے کہ وہ یونیورسٹیاں جو میڈیکل سائنس کی تعلیم دیتی ہیں، وہ تعلیم مکمل کرانے کے بعد ہاؤس جاب کو لازمی قرار دیتی ہیں کہ کسی اسپتال میں کسی ماہر ڈاکٹر کے ساتھ رہ کر یہ سیکھنا پڑے گا کہ کس طرح علاج کیا جاتا ہے۔ اس لئے کہ یونیورسٹی میں جو پڑھا تھا وہ نظریاتی تعلیم تھی اور اسپتالوں میں جاکر جو ہاؤس جاب کیا جارہا ہے یہ تربیت اور ٹریننگ ہے۔

آپ کو تعلیم اور تربیت دونوں کے لئے بھیجا ہے

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے دونوں کاموں کے لئے دنیا میں بھیجا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم قرآن کریم کی نظریاتی تعلیم بھی دیں اور یہ

بھی بتائیں کہ ان آیات کا کیا مطلب ہے؟ اور ساتھ میں آپ لوگوں کو تربیت بھی دیں اور ان کا تزکیہ بھی کریں اور ان کی نگرانی کریں اور ان کے اعمال و اخلاق کو گندگیوں سے پاک کریں اور ان کو پاکیزہ بنائیں۔ یہ چیزیں صرف کتابیں پڑھانے سے حاصل نہیں ہوتیں، نظریہ سمجھا دینے سے حاصل نہیں ہوتیں، بلکہ یہ چیزیں صحبت سے حاصل ہوتی ہیں۔ جب انسان کسی کی صحبت میں ایک مدت تک رہتا ہے اور اس کے طرزِ عمل کو دیکھتا ہے تو اس کے طرزِ عمل کی خوشبو رفتہ رفتہ اس انسان کے اندر بھی سرایت کر جاتی ہے، اسی کا نام تزکیہ ہے۔

اخلاق کو پاکیزہ بنانے کا کیا مطلب ہے؟

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے یہ جو فرمایا کہ: وَالَّذِیْنَ هُمْ لِلزَّكٰوةِ فٰعِلُوْنَ ○ دوسری تفسیر کے لحاظ سے اس آیت کے معنیٰ یہ ہیں کہ فلاح ان لوگوں کو حاصل ہوتی ہے جو اپنے اخلاق اور اعمال کو پاکیزہ بنانے کی پوری کوشش کرتے ہیں۔ اب سوال یہ ہے کہ پاکیزہ بنانے کا کیا مطلب ہے؟ اگر جسم کو گندگی سے پاک کرنا ہو تو اس کو پانی سے دھو دیا جائے تو وہ پاک ہو جائے گا، اگر کپڑے کو گندگی سے پاک کرنا ہو تو اس کو پانی سے دھو دیا جائے تو وہ پاک ہو جائے گا، لیکن اخلاق اور اعمال کو پاکیزہ بنانے اور ان کو پاک کرنے کا کیا طریقہ ہے؟ کیا انکو پانی سے دھو دیا جائے؟ یا ان اعمال کو غسل دیدیا جائے؟

''دل'' انسان کے اعمال کا سرچشمہ ہے

خوب سمجھ لیں کہ اعمال اور اخلاق کو پاکیزہ بنانے کا مطلب یہ ہے کہ

انسان دنیا کے اندر جو بھی کام کرتا ہے، درحقیقت اس عمل کا سرچشمہ اور اس کا منبع اس کی اصل انسان کے دل میں ہوتی ہے، پہلے انسان کے دل میں اس عمل کا ارادہ پیدا ہوتا ہے، اس کے بعد اس سے وہ عمل سرزد ہوتا ہے مثلاً آپ جمعہ کی نماز ادا کرنے کے لئے مسجد میں تشریف لائے تو پہلے آپ کے دل میں یہ ارادہ پیدا ہوا کہ آج جمعہ کا دن ہے اور مجھے جمعہ کی نماز ادا کرنے کے لئے مسجد میں جانا چاہئے اور جا کر نماز ادا کرنی چاہئے، لہٰذا پہلے ارادہ پیدا ہوا اور پھر اس ارادے میں پختگی آئی اور طبیعت میں جو سستی پیدا ہو رہی تھی، اس سستی کا مقابلہ کر کے اس ارادے کو پختہ کیا اور پختہ ارادے کے نتیجے میں آپ کے پاؤں مسجد کی طرف چلنے لگے، اگر آپ پختہ ارادہ نہ کرتے تو آپ کے پاؤں مسجد کی طرف نہ چلتے۔ ہاں اگر کوئی آدمی پاگل ہو جائے تو اس کے ہاتھ پاؤں بے ارادہ حرکت کر سکتے ہیں، لیکن جب تک انسان کے اندر عقل اور شعور موجود ہے، اس کے دل میں جب تک کسی کام کا ارادہ پیدا نہیں ہوگا، اس وقت تک وہ کوئی عمل نہیں کر سکتا، چاہے وہ اچھا کام ہو یا برا کام ہو۔ اس سے پتہ چلا کہ انسان کے اعمال کا سرچشمہ انسان کا ''دل'' ہے۔

دل میں لطیف قوتیں رکھی گئی ہیں

یہ ''دل'' اللہ تعالیٰ نے بڑی عجیب چیز بنائی ہے، بظاہر دیکھنے میں تو یہ خون کا لوتھڑا ہے، لیکن اللہ تعالیٰ نے اس لوتھڑے کے ساتھ کچھ لطیف قوتیں وابستہ کر دی ہیں، وہ قوتیں نہ نظر آتی ہیں اور نہ ہی کسی لیبارٹری میں ان قوتوں کو ٹیسٹ کیا جا سکتا ہے، لیکن وہ قوتیں اس دل کے ساتھ وابستہ کر دی گئی ہیں۔

چنانچہ اس دل میں خواہشیں پیدا ہوتی ہیں کہ یہ کام کرلوں اور فلاں کام کرلوں، یہ ''خواہشیں'' دل میں پیدا ہوتی ہیں، اسی دل میں ''ارادے'' پیدا ہوتے ہیں، اسی دل میں ''جذبات'' جنم لیتے ہیں، اسی دل میں ''غصہ'' پیدا ہوتا ہے، اسی دل میں شہوت پیدا ہوتی ہے، اسی دل میں دنیا بھر کی ''امنگیں'' پیدا ہوتی ہیں، اسی دل میں ''صدمہ'' آتا ہے، اسی دل میں ''غم'' پیدا ہوتا ہے، اسی دل میں ''خوشی'' آتی ہے، یہ سب چیزیں دل کے اردگرد گھومتی ہیں۔

''دِل'' میں اچھی خواہشیں پیدا ہونی چاہئیں

اب اگر اچھی خواہشیں دل میں پیدا ہو رہی ہیں تو انسان سے اچھے اعمال سرزد ہوں گے اور اگر دل میں غلط خواہشیں پیدا ہو رہی ہیں تو انسان کے ارادے بھی خراب ہوں گے اور اعمال بھی خراب ہوں گے۔ اس لئے انسان کی ساری بھلائی کا دارومدار اس بات پر ہے کہ اس کے دل میں ایسی خواہشیں پیدا ہوں جو نیک ارادوں کو جنم دیں، جس کے نتیجے میں اچھے اعمال وجود میں آئیں اور ایسی خواہشات دل میں پیدا نہ ہوں جس سے انسان غلط راستے پر پڑ جائے یا اگر ایسی خواہشات دل میں پیدا ہوں تو وہ مغلوب ہوں جس سے انسان غلط راستے پر نہ پڑ جائے۔ انسان کے تمام اعمال اسی اصول کے تحت گھومتے ہیں۔

''دِل'' کی اہمیت

اسی وجہ سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک خطبہ میں ارشاد فرمایا کہ:

اَلاَ اِنَّ فِی الْجَسَدِ مُضْغَةً اِذَا صَلَحَتْ صَلَحَ

الْجَسَدُ كُلُّهُ وَإِذَا فَسَدَتْ فَسَدَ الْجَسَدُ كُلُّهُ الاَ وَهِيَ الْقَلْبُ۔

خوب سن لو! بیشک جسم میں گوشت کا ایک لوتھڑا ہے اگر وہ صحیح ہو جائے تو سارا جسم صحیح ہو جائے، اگر وہ خراب ہو جائے تو سارا جسم خراب ہوجائے خوب سن لو کہ وہ لوتھڑا ''دل'' ہے۔ (اتحاف السادۃ المتقین، ج ۳ ص ۱۵۳)

یہ 'دل'' بڑی عجیب چیز اللہ تعالیٰ نے بنائی ہے کہ انسان کی ظاہری زندگی بھی اس پر موقوف ہے اور باطن کی اچھائی اور بُرائی بھی اس پر موقوف ہے، جسمانی صحت کا ''دل'' پر موقوف ہونا تو ہر انسان جانتا ہے کہ جب تک یہ ''دل'' ٹھیک ٹھیک کام کر رہا ہے، اس وقت تک انسان زندہ ہے۔ یہ ''دل'' انسان کی پیدائش سے بھی پہلے اپنا کام شروع کر دیتا ہے اور مرتے دم تک اس کا کام جاری رہتا ہے، اس کی کبھی چھٹی نہیں ہوتی، کبھی اس کے کام میں کوئی وقفہ نہیں آتا، اس کو کبھی آرام نہیں ملتا، اس کا کام یہ ہے کہ وہ ایک منٹ میں بہتر ۷۲ مرتبہ پورے جسم میں خون پھینکتا ہے اور پھر واپس لیتا ہے، اس کو اس کام سے کبھی آرام نہیں ملتا، جبکہ دوسرے اعضاء کے کاموں میں وقفہ بھی آجاتا ہے اور دوسرے اعضاء کو آرام بھی مل جاتا ہے، مثلاً اگر آدمی سو رہا ہے تو سوتے وقت آنکھوں کو آرام مل گیا، کانوں کو آرام مل گیا، جسم کے دوسرے اعضاء کو آرام مل گیا، لیکن سونے کی حالت میں بھی دل اپنا کام کر رہا ہے، یہاں تک کہ بے ہوشی کی حالت میں بھی دل کا کام جاری رہتا ہے، اس لئے کہ جس دن اس دل نے آرام کرلیا، اس دن

اس انسان کی موت ہے اور انسان کی زندگی ختم ہے۔

جسم کی صحت دل کی صحت پر موقوف ہے

اس لئے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر دل صحیح ہے اور تندرست وتوانا ہے تو سارا جسم توانا ہے اور جس دن یہ بیمار ہو جائے، اس دن انسان کے جسم کے لئے اس سے بڑی کوئی مصیبت نہیں۔ اسی لئے کسی نے کہا ہے کہ:

نیست بیماری چوں بیمارئ دل

یعنی کوئی بیماری دل کی بیماری کے برابر نہیں، یہ تو دل کی ظاہری حالت تھی۔

''دِل'' کا ارادہ پاک ہونا چاہئے

دل کی باطنی حالت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس دل کے اندر جو لطیف طاقتیں پیدا فرمائی ہیں، جن کے نتیجے میں خواہشات پیدا ہوتی ہیں اور جذبات جنم لیتے ہیں، جن کے ذریعہ ارادے پیدا ہوتے ہیں، وہ لطیف طاقتیں اگر پاک صاف ہیں تو پھر انسان کے اعمال بھی پاک صاف ہوں گے اور اگر وہ لطیف طاقتیں پاک نہیں بلکہ خراب اور گندی ہیں تو اعمال بھی خراب ہوں گے، اگر ایک عمل بظاہر دیکھنے میں اچھا نظر آ رہا ہے، نیک عمل نظر آ رہا ہے، لیکن دل کا وہ ارادہ اور وہ خواہش جس نے اس عمل کو جنم دیا، اگر وہ پاک نہیں تو وہ عمل بھی پاک نہیں ہے۔

نیک ارادے کی مثال

مثلاً اس وقت ہم سب یہاں اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے نماز جمعہ پڑھنے کے لئے جمع ہیں، نماز پڑھنا بظاہر نیک اور اچھا عمل ہے، اگر آپ کے دل نے آپ سے یہ نیک عمل اس لئے کروایا کہ نماز پڑھنا اللہ تعالیٰ کا حکم ہے اور اللہ تعالیٰ کے حکم کی تعمیل کرنے میں اللہ تعالیٰ راضی ہوں گے اور اللہ تعالیٰ ثواب دیں گے، اگر اس ارادے سے عمل کیا تو وہ عمل اچھا ہے اور نیک ہے۔ لیکن اگر دل نے یہ ارادہ کیا کہ میں نماز جمعہ اس لئے پڑھ رہا ہوں تا کہ لوگوں میں شہرت حاصل کروں کہ یہ آدمی بڑا نیک نمازی ہے، بڑا عابد و زاہد ہے، بڑا متقی پرہیزگار ہے، مسجد میں صف اول میں جا کر نماز پڑھتا ہے تو اس صورت میں عمل تو اچھا ہے لیکن ارادہ غلط ہے، خواہش غلط، دل نے غلط راستہ سمجھایا، اس لئے یہ عمل بھی اکارت اور بے کار ہوگیا۔ اسی لئے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم فرمارہے ہیں کہ اگر یہ قلب ٹھیک ہے اور یہ صحیح قسم کے جذبات پیدا کر رہا ہے اور صحیح ارادے پیدا کر رہا ہے تو بیشک تمہارے سارے اعمال درست ہیں، لیکن اگر یہ قلب ٹھیک نہیں ہے اور یہ غلط راستے بتا رہا ہے تو تمہارے اعمال بھی غلط ہیں، چاہے وہ اعمال دیکھنے میں کتنے ہی اچھے ہوں۔

دل کے اعمال میں حلال بھی ہے اور حرام بھی

بہرحال! اس دل میں اچھی خواہشات پیدا ہوں، اچھے جذبات پیدا ہوں صحیح ارادے پیدا ہوں اسی کا نام ''تزکیہ'' ہے، کیونکہ ''تزکیہ'' کے معنی ہیں

اپنے قلب کو غلط خواہشات اور غلط جذبات اور غلط ارادوں سے پاک کرنا۔ جس طرح وہ اعمال جو ہم ظاہر میں ادا کرتے ہیں جیسے نماز ہے، روزہ ہے، زکوۃ ہے، حج ہے، یہ سب ظاہری اعمال ہیں اور ہمارے ذمے فرض ہیں، اور جس طرح کچھ اعمال ظاہری حرام ہیں، جیسے شراب پینا حرام ہے، جھوٹ بولنا حرام ہے، رشوت لینا حرام ہے، رشوت دینا حرام ہے، بالکل اسی طرح اللہ تعالیٰ نے قلب کے اعمال میں بھی کچھ اعمال فرض و واجب قرار دئے ہیں اور کچھ اعمال حرام اور ناجائز قرار دیئے ہیں۔

''اخلاص'' دل کا حلال عمل ہے

مثلاً ''اخلاص'' دل کا عمل ہے، ہاتھ پاؤں، ناک، کان، زبان کا کام نہیں ہے، اس لئے کہ اخلاص دل میں جنم لیتا ہے اور باطنی عمل ہے اور یہ اخلاص حاصل کرنا ایسا ہی فرض ہے جیسے نماز پڑھنا فرض ہے، جیسے رمضان کے روزے رکھنا فرض ہے، بلکہ اس سے بھی زیادہ فرض ہے، کیونکہ اگر اخلاص دل میں نہیں تو پھر ظاہری اعمال بھی بیکار ہیں، مثلاً نماز اگر اخلاص کے بغیر پڑھیں گے تو یہ عمل بھی بیکار ہوگا۔

''شکر'' اور ''صبر'' دِل کے اعمال ہیں

اسی طرح نعمتوں پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنا، یہ دل کا عمل ہے، آدمی دل سے یہ تصور کرے کہ میں اس نعمت کے لائق نہیں تھا لیکن اللہ تعالیٰ نے محض اپنے فضل و کرم سے مجھے اس نعمت سے نوازا ہے، اس کو ''شکر'' کہتے ہیں، یہ

دل کا عمل ہے اور فرض ہے۔ اسی طرح ''صبر'' ہے، صبر کا مطلب یہ ہے کہ جب کوئی ناگوار واقعہ پیش آ جائے یا تکلیف پہنچ جائے، تو اس تکلیف پر انسان دل میں یہ سوچے کہ اگرچہ مجھے تکلیف ہو رہی ہے لیکن میں اللہ تعالیٰ کے فیصلے پر راضی ہوں اور اللہ تعالیٰ نے جو کچھ کیا وہ اس کی حکمت کے مطابق ہے، اس کا نام ''صبر'' ہے اور یہ دل کا کام ہے، اس کو حاصل کرنا فرض ہے۔ اس طرح کے بہت سے اعمال ہیں جو انسان کے دل سے متعلق ہیں، ان کو ''اخلاق'' کہا جاتا ہے اور یہ ''اخلاق'' حاصل کرنا فرض ہے۔

''تکبر'' دل کا حرام فعل ہے

کچھ ''اعمال'' دل سے متعلق ایسے ہیں جو حرام ہیں، مثلاً تکبر کرنا، یعنی اپنے آپ کو بڑا سمجھنا اور یہ سمجھنا کہ ''ہم چوں ما دیگرے نیست'' یعنی مجھ جیسا کوئی نہیں ہے اور سب لوگ میرے آگے حقیر اور ذلیل ہیں، ان کی کوئی حیثیت نہیں ہے، میں ہی سب سے بڑا ہوں، یہ ''تکبر'' ہے جو دل میں پیدا ہوتا ہے۔ بسا اوقات یہ تکبر زبان سے ظاہر نہیں ہوتا، بلکہ زبان سے تو وہ یہ کہہ رہا ہوتا ہے کہ میں بہت حقیر ہوں، بہت ناچیز ہوں، ناکارہ ہوں، لیکن اس کے دل میں تکبر بھرا ہوتا ہے، اس لئے کہ وہ دوسروں کو حقیر سمجھتا ہے۔ یہ تکبر دل کی باطنی بیماری ہے اور حرام ہے اور یہ تکبر اتنا شدید حرام ہے کہ خنزیر کھانے سے بھی زیادہ حرام ہے، شراب پینے سے بھی زیادہ حرام ہے، اس لئے کہ تکبر کرنے والا درحقیقت اللہ تعالیٰ سے لڑائی کرنے والا ہے، کیونکہ کبریائی اور بڑائی صرف اللہ

تعالیٰ کے لئے ہے، اب جو شخص یہ کہتا ہے کہ میں بڑا ہوں، وہ درحقیقت اللہ تعالیٰ کا مقابلہ کر رہا ہے۔ بہرحال تکبر بہت بڑی بلا اور حرام ہے۔

''تزکیہ'' اسی کا نام ہے

اسی طرح ''حسد'' دل کی بیماری ہے، یعنی کسی دوسرے انسان کو کوئی نعمت مل گئی، اب اس نعمت کو دیکھ کر دل میں جلن پیدا ہو رہی ہے کہ یہ نعمت اس کو کیوں مل گئی، یہ نعمت اس سے چھن جائے، یہ خواہش دل میں پیدا ہو رہی ہے اور یہ حرام ہے۔ بہرحال جس طرح ظاہری اعمال میں سے کچھ اعمال فرض ہیں، کچھ واجب ہیں، کچھ حرام ہیں، اسی طرح انسان کے ساتھ لگے ہوئے جو جذبات خواہشات اور ارادے ہیں، ان میں سے کچھ فرض و واجب ہیں اور کچھ حرام ہیں، ان میں سے جو فرض و واجب ہیں، انسان ان کو برقرار رکھے اور جو گناہ اور حرام ہیں، ان سے اپنے دل کو بچالے، اس کا نام ''تزکیہ'' ہے اور اسی کا نام ''قلب کو پاک کرنا'' ہے، لہٰذا اس آیت میں فرمایا کہ:

وَالَّذِیْنَ ھُمْ لِلزَّکٰوۃِ فٰعِلُوْنَ o وہ لوگ جو تزکیہ کرنے والے ہیں۔ یعنی اپنے قلب کو ناپاک اخلاق سے، ناپاک جذبات سے، ناپاک ارادوں سے پاک کرتے ہیں، وہ لوگ ''فلاح یافتہ'' ہیں۔

تصوّف کی اصل حقیقت

آپ حضرات نے ''تصوّف'' کا لفظ بار بار سنا ہوگا، آج لوگوں نے تصوف کے بارے میں غلط فہمیاں پیدا کر کے اس کو ایک ملغوبہ بنا دیا ہے،

حالانکہ تصوف کا اصل مقصد یہ ہے کہ تمہارے جذبات صحیح ہونے چاہئیں، تمہارے اخلاق صحیح ہونے چاہئیں، تمہاری خواہشات صحیح ہونی چاہئیں اور ان کو کسی طرح صحیح کیا جائے۔ یہ اعمال ''تصوف'' کے اندر بتائے جاتے ہیں۔ ''تصوف'' کی حقیقت بس اتنی ہے، اس سے آگے لوگوں نے جو باتیں تصوف کے اندر داخل کر دی ہیں، اس کا تصوف سے کوئی تعلق نہیں۔ جس طرح فقہاء ظاہری اعمال مثلاً نماز، روزے، زکوٰۃ، حج، بیع وشراء، نکاح وطلاق کے احکام بیان کرتے ہیں۔ اسی طرح صوفیاء کرام دل میں پیدا ہونے والے جذبات کے احکام بیان کرتے ہیں

خلاصہ

بہرحال! قرآن کریم نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے جو مقاصد بیان فرمائے، ان میں سے ایک اہم مقصد لوگوں کے اخلاق کا تزکیہ کرنا تھا، اس کا اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں اشارہ فرمایا ہے:

وَالَّذِيْنَ هُمْ لِلزَّكٰوةِ فٰعِلُوْنَ○

اس کی مزید تشریح انشاء اللہ آئندہ جمعوں میں عرض کروں گا، اللہ تعالیٰ مجھے بھی اور آپ سب حضرات کو اس پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے آمین۔

وَآخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

اچھے اخلاق کا مطلب

شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہم

ضبط وترتیب

محمد عبداللہ میمن

میمن اسلامک پبلشرز

۱/۱۸۸، لیاقت آباد، کراچی ۱۹

مقام خطاب : جامع مسجد بیت المکرّم
گلشن اقبال کراچی
وقت خطاب : بعد نماز عصر تا مغرب
اصلاحی خطبات : جلد نمبر : ۱۵

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْم ؕ

''اچھے اخلاق'' کا مطلب

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ نَحْمَدُہٗ وَ نَسْتَعِیْنُہٗ وَ نَسْتَغْفِرُہٗ وَ نُؤْمِنُ بِہٖ وَنَتَوَکَّلُ عَلَیْہِ وَنَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَیِّئَاتِ اَعْمَالِنَا ۔ مَنْ یَّھْدِہِ اللّٰہُ فَلاَ مُضِلَّ لَہٗ وَمَنْ یُّضْلِلْہُ فَلاَ ھَادِیَ لَہٗ وَأَشْھَدُ اَنْ لَّا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَاشَرِیْکَ لَہٗ وَأَشْھَدُ اَنَّ سَیِّدَنَا وَنَبِیَّنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّداً عَبْدُہٗ وَ رَسُوْلُہٗ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَبَارَکَ وَسَلَّمَ تَسْلِیْمًا کَثِیْرًا ۔

أَمَّا بَعْدُ! فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ ○ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ○ قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ○الَّذِیْنَ ھُمْ فِیْ صَلاَتِھِمْ خٰشِعُوْنَ○ وَالَّذِیْنَ ھُمْ عَنِ اللَّغْوِ مُعْرِضُوْنَ ○ وَالَّذِیْنَ ھُمْ لِلزَّکٰوۃِ فٰعِلُوْنَ ○ وَالَّذِیْنَ ھُمْ لِفُرُوْجِھِمْ

حٰفِظُوْنَ ○ اِلَّا عَلٰی اَزْوَاجِهِمْ اَوْمَامَلَکَتْ اَیْمَانُهُمْ فَاِنَّهُمْ غَیْرُ مَلُوْمِیْنَ ○

(سورۃ المؤمنون:۱۔۷)

آمنت باللّٰہ صدق اللّٰہ مولانا العظیم وصدق رسولہ النبی الکریم ونحن علی ذٰلک من الشاھدین والشاکرین والحمدللّٰہ ربّ العٰلمین

تمہید

بزرگانِ محترم اور برادرانِ عزیز! سورۃ المؤمنون کی ان ابتدائی آیات میں اللہ تعالیٰ نے ان مؤمنو کی صفات بیان فرمائی ہیں جو اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف سے فلاح یافتہ ہیں، ان صفات میں سے جس صفت کا بیان چل رہا ہے وہ ہے

وَالَّذِیْنَ هُمْ لِلزَّکٰوةِ فٰعِلُوْنَ ○

جیسے پہلے عرض کیا تھا کہ اس آیت کی دو تفسیریں ہیں، پہلی تفسیر کے مطابق اس آیت کا مطلب یہ ہے کہ وہ مؤمن فلاح یافتہ ہیں جو زکوٰۃ ادا کرنے والے ہیں اور دوسری تفسیر کے مطابق اس آیت کا مطلب یہ ہے کہ وہ مؤمن فلاح یافتہ ہیں جو اپنا تزکیہ کرنے والے ہیں، اپنے آپ کو پاک صاف کرنے والے ہیں، اپنے اخلاق کو گندگیوں اور ناپاکیوں سے محفوظ رکھنے والے ہیں اور اچھے اخلاق کو اختیار کرنے والے ہیں۔

''دِل'' کی کیفیات کا نام ''اخلاق'' ہے

اس کی تھوڑی سی تفصیل یہ ہے کہ آج کل عرف عام میں ''اخلاق'' کا مطلب یہ سمجھا جاتا ہے کہ آدمی دوسرے سے خندہ پیشانی کے ساتھ پیش آئے، مسکرا کر اس سے مل لے اور نرمی سے بات کر لے، ہمدردی کے الفاظ اس سے کہے، بس اسی کو ''اخلاق'' سمجھا جاتا ہے۔ خوب سمجھ لیجئے کہ شریعت کی نظر میں ''اخلاق'' کا مفہوم بہت وسیع اور عام ہے، اس مفہوم میں بیشک یہ باتیں بھی داخل ہیں کہ جب انسان دوسرے سے ملے تو خندہ پیشانی سے ملے، اظہار محبت کرے اور اس کے چہرے پر ملاقات کے وقت بشاشت ہو، نرمی کے ساتھ گفتگو کرے، لیکن ''اخلاق'' صرف اس طرزِ عمل میں منحصر نہیں بلکہ ''اخلاق'' درحقیقت دل کی کیفیات کا نام ہے، دل میں جو جذبات اٹھتے ہیں اور جو خواہشات دل میں پیدا ہوتی ہیں، ان کا نام ''اخلاق'' ہے۔ پھر اچھے اخلاق کے معنی یہ ہیں کہ انسان کے جذبات میں اچھی اور خوشگوار باتیں پیدا ہوتی ہوں اور برے اخلاق کے معنی یہ ہیں کہ اس کے دل میں خراب جذبات اور غلط خواہشات پیدا ہوتی ہوں۔ لہٰذا شریعت کا ایک بہت اہم حصہ یہ ہے کہ انسان اپنے اخلاق کی اصلاح کرے اور دل میں پرورش پانے والے جذبات کو اعتدال پر لائے۔

فطری جذبات کو اعتدال پر رکھیں

اس کی تھوڑی سی تشریح یوں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہر انسان کے دل میں کچھ فطری جذبے رکھے ہیں، وہ اس کی فطرت کا حصہ ہیں، کوئی انسان ان سے خالی نہیں، مثلاً ''غصہ'' ہے جو ہر انسان کے اندر ہوتا ہے، کسی میں کم ہوتا ہے کسی میں زیادہ، لیکن ہوتا ضرور ہے یا مثلاً شہوت اور جنسی خواہش ہے جو ہر انسان کے اندر ہوتی ہے، کسی میں کم کسی میں زیادہ، یا مثلاً اپنی عزتِ نفس کا خیال کہ میں ذلیل نہ ہو جاؤں، بلکہ مجھے عزت حاصل ہو جائے، یہ جذبہ ہر انسان کے دل میں ہوتا ہے، یہ سب فطری جذبات ہیں جو انسان کے اندر اللہ تبارک وتعالیٰ نے پیدا فرمائے ہیں، لیکن ان جذبات کو اعتدال پر رکھنا ضروری ہے اور ان کو اعتدال پر رکھنے کا نام ہی ''حسن اخلاق'' ہے، اگر یہ اعتدال کے اندر ہیں تو بڑی اچھی بات ہے اور آدمی کے اخلاق پاکیزہ ہیں اور درست ہیں اور قابل تعریف ہیں، لیکن اگر اخلاق اعتدال سے گھٹے ہوئے ہیں یا اعتدال سے بڑھے ہوئے ہیں تو دونوں صورتوں میں انسان کے اخلاق خراب ہیں اور ان کے اصلاح کی ضرورت ہے۔

''غصہ'' فطری جذبہ ہے

مثلاً ''غصہ'' ایک فطری جذبہ ہے جو اللہ تعالیٰ نے ہر انسان کے دل میں پیدا فرمایا ہے، یہ غصہ ضروری بھی ہے، کیونکہ اگر انسان کے اندر ''غصہ'' بالکل نہ

ہوتو انسان اپنا دفاع کرنے کے قابل نہیں ہوسکتا، مثلاً ایک شخص پر دوسرا شخص حملہ آور ہے اور اس کے اوپر ناجائز حملہ کر رہا ہے مگر وہ شخص خاموش بیٹھا ہے، اس کو غصہ ہی نہیں آتا تو اس کا مطلب یہ ہے کہ اس کا ''غصہ'' اعتدال پر نہیں ہے۔ اسی طرح کوئی شخص اس کے باپ پر یا اس کے بھائی پر یا اس کی بیوی پر حملہ کر رہا ہے اور یہ شخص خاموش بیٹھا تماشہ دیکھ رہا ہے اور اس کو غصہ ہی نہیں آ رہا ہے تو یہ بے غیرتی ہے، بے حمیتی ہے اور شریعت میں اس بے غیرتی اور بے حمیتی کا کوئی جواز نہیں۔

یہ بے غیرتی کی بات ہے

آج عراق میں ہمارے بھائیوں پر دہشت اور بربریت والا حملہ ہو رہا ہے اور کتنے مسلمان ایسے ہیں جو نہ صرف یہ کہ خاموش ہیں اور ان کو غصہ نہیں آ رہا ہے، بلکہ ان کے ساتھ تعاون بھی کر رہے ہیں، ان کو اپنی فضائی حدود اور زمینی حدود فراہم کر رہے ہیں اور غیر مسلموں کے ہیڈ کوارٹر ان کے ملک میں قائم ہیں، یہ بے غیرتی اور بے حمیتی ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ غصے کا جو جذبہ اللہ تعالیٰ نے رکھا تھا، وہ صحیح جگہ پر استعمال نہیں ہو رہا ہے، کیونکہ یہ غصہ اللہ تعالیٰ نے اس لئے رکھا ہے کہ انسان اس کے ذریعہ اپنا دفاع کرے، اپنے عزیز و اقارب اور گھر والوں کا دفاع کرے، اپنے دین کا دفاع کرے، اپنے ہم مذہب لوگوں کا دفاع کرے اور پوری انسانیت پر ہونے والے ظلم کا دفاع کرے، اس مقصد کے لئے اللہ تعالیٰ نے یہ غصہ رکھا ہے۔

غصہ کو صحیح جگہ پر استعمال کریں

چنانچہ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

قَاتِلُوْا الَّذِيْنَ يَلُوْ نَكُمْ مِنَ الْكُفَّارِ وَلْيَجِدُوْا فِيْكُمْ غِلْظَةً۔ (سورۃ التوبۃ، آیت نمبر ۱۲۳)

یعنی جو کفار تمہارے قریب ہیں، ان سے لڑائی کرو اور ان کفار کو یہ محسوس ہونا چاہئے کہ ان کے خلاف تمہارے دلوں میں غصہ ہے اور سختی ہے۔ لہٰذا اگر یہ غصہ صحیح جگہ پر ہے تو یہ غصہ قابل تعریف ہے اور اچھے اخلاق کی نشانی ہے، مثلاً اگر گھر پر ڈاکو حملہ آور ہو گئے اور میرے پاس اتنی طاقت بھی ہے کہ میں ان پر حملہ کرسکوں لیکن میں خاموش بیٹھا ہیں اور ہاتھ پاؤں نہیں ہلاتا اور مجھے غصہ ہی نہیں آتا تو اس کا مطلب یہ ہے کہ میں بے غیرت ہوں، شریعت کو یہ مطلوب نہیں، لہٰذا اگر انسان غصہ کو صحیح حدود میں استعمال کرے اور صحیح جگہ پر استعمال کرے تو یہ غصہ اچھے اخلاق کی نشانی ہے۔

’’غصہ‘‘ حد کے اندر استعمال کرے

میں نے دو لفظ استعمال کئے، ایک یہ کہ غصہ کو صحیح جگہ پر استعمال کرے اور غلط جگہ پر استعمال نہ کرے، یعنی جہاں غصہ کرنا چاہئے وہیں پر غصہ کرے۔ دوسرے یہ کہ غصہ کو حدود میں استعمال کرے، یعنی جتنا غصہ کرنا چاہئے اتنا ہی کرے، اس سے زیادہ نہ کرے، مثلاً آپ دیکھ رہے ہیں کہ آپ کی اولاد غلط

راستے پر جا رہی ہے، گناہوں کا ارتکاب کر رہی ہے، اس کے اعمال خراب ہو رہے ہیں، آپ نے اس کو دو تین بار سمجھایا اور نصیحت کی، اس نے آپ کی نصیحت نہیں مانی تو اس موقع پر غصہ کا آنا صحیح محل صحیح جگہ پر ہے، غلط جگہ پر نہیں ہے، کیونکہ واقعتہً وہ غصہ کی بات تھی، لیکن جب اپنی اولاد پر غصہ کا اظہار کرنے پر آئے تو غصہ کا اتنا اظہار کیا کہ بچے کی چمڑی ادھیڑ دی، اس صورت میں غصے کا محل تو صحیح تھا لیکن وہ غصہ حد کے اندر نہیں تھا بلکہ حد سے تجاویز کر کے آگے بڑھ گیا اور اعتدال سے نکل گیا تو یہ غصہ قابل تعریف نہیں، یہ اچھے اخلاق میں داخل نہیں۔

''غصہ'' کی حدود

لہٰذا غصہ کے اندر دو باتیں ہونی چاہئیں، ایک یہ کہ غصہ صحیح جگہ پر آئے اور غلط جگہ پر نہ آئے اور دوسرے یہ کہ جب غصہ کا اُظہار ہو تو وہ غصہ حد کے اندر ہو نہ حد سے کم ہو اور نہ حد سے بڑھا ہوا ہو۔ اس غصے کی حدود بھی شریعت نے متعین کر دی ہیں، ایک حدیث میں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جب بچہ سات سال کا ہو جائے تو اسے نماز کی تعلیم دو تاکہ بچپن سے اس کو نماز کی عادت پڑ جائے، سات سال کی عمر میں مارنے کا حکم نہیں ہے، اور جب بچہ دس سال کا ہو جائے اور اس وقت تک اس کو نماز پڑھنے کی عادت نہ پڑی ہو تو اب اس کو نماز پڑھانے کے لئے مارنے کی بھی اجازت ہے، یہ حد مقرر کر دی لیکن یہ فرما دیا کہ چہرے پر مت مارو چہرے پر مارنا، جائز نہیں اور

ایسی مار نہ مارو جس سے جسم پر نشان پڑ جائے۔ یہ حدود حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے احادیث میں بیان فرما دیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک ایک چیز کھول کھول کر سمجھا کر واضح کر دیں۔ یہ تو ایک مثال ہے۔

''عزت نفس'' کا جذبہ فطری ہے

ایک اور مثال لے لیجئے۔ مثلاً دل میں عزتِ نفس کا داعیہ پیدا ہونا کہ میں لوگوں کے سامنے ذلیل نہ ہوں اور بحیثیت انسان اور بحیثیت مسلمان کے میری عزت ہونی چاہئے۔ اس حد تک یہ جذبہ قابل تعریف ہے، یہ جذبہ برا نہیں ہے، کیونکہ شریعت نے ہمیں اپنے آپ کو ذلیل کرنے سے منع فرمایا ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ اگر انسان کے دل میں عزتِ نفس کا جذبہ بالکل نہ ہو تو وہ انسان دوسروں کے ہاتھ میں کھلونا بن کر رہ جائے، جو چاہے وہ اس کو ذلیل کر جائے۔ لیکن اگر ''عزتِ نفس'' کا جذبہ حد سے بڑھ جائے اور دل میں یہ خیال آئے کہ میں سب سے بڑا ہوں، میں عزت والا ہوں اور باقی سب لوگ ذلیل ہیں اور حقیر ہیں تو اب یہ دل میں ''تکبر'' آ گیا، اس لئے کہ ''تکبر'' کے معنی ہیں ''اپنے آپ کو دوسروں سے بڑا سمجھنا''۔

''عزتِ نفس'' یا ''تکبر''

آپ کو بے شک یہ حق حاصل ہے کہ آپ یہ چاہیں کہ میں دوسروں کی نظر میں بے عزت نہ ہوں، لیکن کسی بھی دوسرے شخص سے اپنے آپ کو افضل سمجھنا کہ میں اس سے اعلیٰ ہوں اور یہ مجھ سے کمتر ہے، یہ خیال لانا جائز نہیں،

مثلاً آپ امیر ہیں، آپ کے پاس کوٹھی بنگلے ہیں، آپ کے پاس بینک بیلنس ہے، آپ کے پاس دولت ہے اور دوسرا شخص غریب ہے، ٹھیلے پر سامان بیچ کر اپنا پیٹ پالتا ہے، اپنے گھر والوں کے لئے روزی کماتا ہے، اگر آپ کے دل میں یہ خیال آ گیا کہ میں بڑا ہوں اور یہ چھوٹا ہے، میری عزت اس کی عزت سے زیادہ ہے، میں اس سے افضل ہوں اور یہ مجھ سے کمتر ہے، اس کا نام ''تکبر'' ہے، یہ ''عزتِ نفس'' کا جذبہ اپنی حد سے آگے بڑھ گیا۔

''تکبر'' مبغوض ترین جذبہ ہے

اب یہ ''جذبہ'' اتنا خبیث بن گیا کہ اللہ تعالیٰ کو ''تکبر'' سے زیادہ کسی جذبے سے نفرت نہیں، اللہ تعالیٰ کے نزدیک مبغوض ترین جذبہ انسان کے اندر ''تکبر'' ہے، حالانکہ ''عزتِ نفس'' قابل تعریف چیز تھی لیکن جب وہ حد سے بڑھ گئی تو اس کے نتیجے میں وہ ''تکبر'' بن گئی اور تکبر بننے کے نتیجے میں وہ مبغوض بن گئی۔ اللہ تعالیٰ حدیث قدسی میں ارشاد فرماتے ہیں:

اَلْكِبْرِيَاءُ رِدَائِي۔ (مشکوۃ، باب انعضب والکبر) بڑائی تو تنہا میرا حق ہے۔

''اللہ اکبر'' کے معنی ہیں کہ اللہ تعالیٰ ہی سب سے بڑا ہے:

وَلَهُ الْكِبْرِيَاءُ فِي السَّمَاوَاتِ وَالْاَرْضِ (الجاثیۃ۔۳۷)

اسی کے لئے ہے بڑائی آسمانوں میں بھی اور زمینوں میں بھی۔

لہٰذا جو بندہ یہ کہتا ہے کہ میں دوسروں سے بڑا ہوں، میرا درجہ دوسروں کے مقابلے میں زیادہ ہے اور میں افضل ہوں اور دوسرے سب لوگ مجھ سے

چھوٹے ہیں اور حقیر ہیں تو یہ ''تکبر'' کی حد ہے جو اللہ تبارک وتعالیٰ کو انتہائی ناپسند ہے، اس کا انجام دنیا میں بھی بُرا ہے اور آخرت میں بھی بُرا ہے۔

''متکبر'' کو سب لوگ حقیر سمجھتے ہیں

دنیا کے اندر تو یہ صورت ہوتی ہے کہ ''متکبر'' اپنے آپ کو بڑا سمجھتا رہتا ہے اور دوسروں کو حقیر سمجھتا رہتا ہے لیکن حقیقت یہ ہوتی ہے کہ ساری مخلوق اس کو بُرا سمجھتی ہے، اس لئے کہ جو شخص متکبر ہو اور لوگوں کو معلوم بھی ہو کہ یہ شخص متکبر ہے اور اس کے اندر تکبر ہے تو کوئی بھی شخص اس سے محبت نہیں کرے گا بلکہ ہر شخص اس کو بُرا سمجھے گا۔ ایک عربی کہاوت ہے جو بڑی خوبصورت ہے، اس کہاوت میں ''متکبر'' کی مثال دی ہے، فرمایا کہ ''متکبر'' کی مثال اس شخص کی سی ہے جو کسی پہاڑ کی چوٹی پر کھڑا ہو، وہ جب اوپر سے لوگوں کو دیکھتا ہے تو سب لوگ اس کو چھوٹے نظر آتے ہیں، اس لئے وہ ان سب کو چھوٹا سمجھتا ہے اور ساری مخلوق جب اس کو دیکھتی ہے تو وہ چھوٹا نظر آتا ہے، اس لئے وہ اس کو چھوٹا سمجھتے ہیں۔ بہرحال! دنیا کے اندر صورت یہ ہوتی ہے کہ ساری مخلوق ''متکبر'' کو بُرا سمجھتی ہے، اور چھوٹا سمجھتی ہے چاہے اس کے دبدبہ اور اس کی طاقت کی وجہ سے مخلوق اس کے سامنے بات نہ کرسکے، لیکن کسی کے دل میں اس کی عزت اور محبت نہیں ہوتی۔

''امریکہ'' انتہائی تکبر کا مظاہرہ کر رہا ہے

آج ''امریکہ'' تکبر میں نمرود اور فرعون کے درجے تک بلکہ اس سے بھی آگے پہنچ چکا ہے، لوگوں کی زبانیں تو بعض اوقات اس کے سامنے اس کے ڈر کی وجہ سے نہیں کھلتیں لیکن اس کی نفرت ساری دنیا میں پھیلی ہوئی ہے، مسلمان اور غیر مسلم اور خود اس کے وطن کے رہنے والے اس سے نفرت کر رہے ہیں۔ اس لئے دنیا کے اندر ''متکبر'' کو نفرت ملتی ہے، عزت نہیں ملتی اور آخرت میں متکبر کے لئے بڑا سخت عذاب ہے۔

''تکبر'' دوسری بیماریوں کی جڑ ہے

اور یہ ''تکبر'' ایسی بیماری ہے جس سے بے شمار بیماریاں جنم لیتی ہیں، اسی ''تکبر'' کے نتیجے میں ''حسد'' پیدا ہوتا ہے، اسی سے ''بغض'' پیدا ہوتا ہے۔ لہٰذا قرآن کریم یہ کہہ رہا ہے کہ فلاح ان کو نصیب ہوتی ہے جو اپنے اخلاق کو ان تمام بیماریوں سے پاک کریں، ان کو جب غصہ آئے تو صحیح جگہ پر آئے اور جب غصہ کو استعمال کریں تو حدود کے اندر استعمال کریں، وہ اگر اپنی عزت کا تحفظ کریں تو حدود کے اندر کریں، تکبر نہ کریں اور جو کام کریں اخلاص کے ساتھ کریں، کسی کام میں دکھاوا اور نام و نمود نہ ہو، اسی کا نام ''اخلاق کی صفائی'' اور ''اخلاق کا تزکیہ'' ہے جس کا ذکر اس آیت کریمہ:

وَالَّذِينَ هُمْ لِلزَّكٰوةِ فٰعِلُوْنَ ۝

میں ہے اور جس کے بارے میں فرمایا کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اس دنیا میں اس لئے تشریف لائے کہ لوگوں کے اخلاق کو پاک صاف کریں۔

''اخلاق'' کو پاک کرنے کا طریقہ ''نیک صحبت''

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ان اخلاق کو پاک کرنے کا کیا طریقہ ہے؟ خوب سمجھ لیجئے کہ ان اخلاق کو پاک کرنے کا طریقہ وہی ہے جو جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرامؓ کے ساتھ اختیار فرمایا، وہ ہے ''نیک صحبت''، اللہ تعالیٰ نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت کے نتیجے میں صحابہ کرامؓ کے اخلاق کو معتدل بنادیا، صحابہ کرامؓ نے اپنے آپ کو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے حوالے کر دیا، اس طرح کہ صحابہ کرامؓ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوے، اور اپنے آپ کو اصلاح کے لئے پیش کیا اور یہ تہیہ کرلیا کہ جو کچھ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنیں گے اور جو کچھ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو کرتا ہوا دیکھیں گے، اپنی زندگی میں اس کی اتباع کریں گے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہر بات مانیں گے۔ اب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم ایک ایک صحابیؓ کو دیکھ رہے ہیں، تمام صحابہؓ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے ہیں، ان کے حالات آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے ہیں، بعض اوقات خود صحابہ کرامؓ اپنے حالات آپ کے سامنے آکر بیان کرتے کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! میرے دل میں اس کام کا خیال پیدا ہوا، میرے دل میں اس کام کا جذبہ پیدا ہوا، اس کے جواب میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے کہ تم فلاں کام اس حد

تک کر سکتے ہو، اس سے آگے نہیں کر سکتے، چنانچہ رفتہ رفتہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم اور تربیت کے نتیجے میں یہ ہوا کہ وہ اخلاق جو سرکار دو عالم جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لے کر تشریف لائے تھے، وہ اخلاق ان صحابہ کرامؓ میں منتقل ہو گئے۔

زمانہ جاہلیت اور صحابہؓ کا غصہ

زمانہ جاہلیت میں صحابہ کرامؓ کی قوم ایسی قوم تھی جس کا غصہ حد سے گزرا ہوا تھا، ذرا سی بات سے آپس میں جنگ چھڑ جاتی اور بعض اوقات چالیس چالیس سال تک وہ جنگ جاری رہتی، لیکن جب وہ لوگ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے تو ایسے موم بن گئے کہ پھر جب ان کو غصہ آتا تو صحیح جگہ پر آتا اور حد کے اندر رہتا، جتنا غصہ آنا چاہئے اتنا ہی غصہ آتا، اس سے آگے نہیں آتا۔ زمانہ جاہلیت میں لوگ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا نام سن کر کانپ جاتے تھے کہ اگر ان کو غصہ آ گیا تو ہماری خیر نہیں، اسی غصے کے عالم میں ایک مرتبہ اپنے گھر سے نکلے کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے نبوت کا دعویٰ کیا ہے اور نیا دین لے کر آئے ہیں اور پرانے دین کو غلط قرار دیتے ہیں، لہٰذا میں ان کا سر قلم کروں گا۔ لمبا قصہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچنے سے پہلے اللہ تعالیٰ نے ان کے کان میں قرآن کریم کی آیات ڈال دیں اور ان آیات قرآنی کو انقلاب کا ذریعہ بنا دیا اور دل میں اسلام گھر کر گیا اور سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر اپنی

پوری جان نچھاور کر دی۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور غصہ میں اعتدال

پھر جب سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں تشریف لے آئے اور آپ کی صحبت اٹھائی تو وہ غصہ جو انتہاء سے گزرا ہوا تھا، اس غصے کو سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی تربیت سے اور اپنے فیض صحبت سے ایسا معتدل کر دیا کہ جب آپ خلیفہ اور امیر المؤمنین بن گئے تو ایک دن جب آپ جمعہ کے دن مسجد نبوی میں خطبہ دے رہے تھے، اس وقت آپ کے سامنے رعایا کا بہت بڑا مجمع تھا، اس مجمع میں آپ نے ایک سوال کیا تو جواب دینے کے لئے ایک دیہاتی کھڑا ہو گیا اور اس نے کہا کہ اے عمر! اگر تم ٹیڑھے چلو گے تو ہم اپنی تلوار سے تمہیں سیدھا کریں گے۔ یہ بات اس شخص سے کہی جا رہی ہے جس کی آدھی دنیا پر حکومت ہے، کیونکہ زمین کا جتنا حصہ ان کے زیر حکومت تھا، آج اس زمین پر پچیس حکومتیں قائم ہیں، لیکن اس دیہاتی کے الفاظ پر عمر بن خطاب کو غصہ نہیں آیا بلکہ آپؓ نے اس وقت یہ فرمایا کہ اے اللہ! میں آپ کا شکر ادا کرتا ہوں کہ آپ نے اس امت میں ایسے لوگ پیدا کئے ہیں کہ اگر میں غلطی کروں تو مجھے سیدھا کر دیں۔ بہرحال! حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا وہ غصہ جو زمانہ جاہلیت میں ضرب المثل تھا، سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت اور تربیت کے اثر سے وہ غصہ معتدل ہو گیا۔

اللہ تعالیٰ کی حدود کے آگے رک جانے والے

اور جب غصہ کا صحیح موقع آجاتا اور ظالم اور جابر حکمرانوں کے خلاف لڑائی اور جہاد کا وقت آتا تو قیصر وکسریٰ بڑی بڑی طاقتیں آپ کے نام سے لرزہ براندام ہو جاتیں اور ان پر کپکپی طاری ہو جاتی، آپ نے ہی قیصر وکسریٰ کے ایوانوں کو تخت وتاراج کیا۔ تو جہاں غصہ نہیں آنا تھا وہاں نہیں آیا اور جہاں جس درجے میں غصہ آنا تھا، وہاں اسی درجے میں آیا، اس سے آگے نہ بڑھا۔ آپ ہی کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ:

كَانَ وَقَّافًا عِنْدَ حُدُوْدِ اللّٰهِ

یعنی حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ اللہ تعالیٰ کی مقرر کی ہوئی حدوں کے آگے رک جانے والے تھے۔ یہ بات کہاں سے حاصل ہوئی؟ کیا کتابیں پڑھ کر اور فلسفہ پڑھ کر یہ بات حاصل ہوئی؟ نہیں بلکہ اس کے حصول کا ایک ہی طریقہ تھا، وہ یہ کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت اٹھائی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تربیت میں رہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت کی، اس کے نتیجے میں اللہ تعالیٰ نے آپ کے تمام اخلاق کو مجلّٰی مزکّٰی اور مصفّٰی کر دیا۔

اللہ والوں کی صحبت اختیار کرو

پھر یہی طریقہ صحابہ کرامؓ نے اپنے شاگردوں یعنی تابعین کے ساتھ اور تابعین نے اپنے شاگردوں کے ساتھ برتا، جیسا کہ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ

نیارشاد فرمایا:

يَآ اَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوْا اتَّقُوْا اللّٰهَ وَكُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِيْنَ۔

یعنی اگر اپنے اخلاق درست کرنا چاہتے ہوتو ان کی صحبت اختیار کرو جن کے اخلاق درست ہیں۔ لہٰذا اپنی صحبت درست کرو اور ایسے لوگوں کی صحبت اختیار کرو جو اللہ والے ہوں، جن کے دلوں میں اللہ تعالیٰ کا خوف ہو، آخرت کی فکر ہو، جن کے اخلاق مصفّٰی اور مجلّٰی ہو چکے ہوں۔ اب کیسے ان کی صحبت اختیار کی جائے؟ اس کی تفصیل انشاء اللہ تعالیٰ آئندہ جمعہ کو عرض کروں گا۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

وَآخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

❁❁❁
❁

دلوں کو پاک کریں

شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہم

ضبط و ترتیب

محمد عبداللہ میمن

میمن اسلامک پبلشرز

۱۸۸/۱۔ لیاقت آباد، کراچی ۱۹

مقام خطاب : جامع مسجد بیت المکرّم
گلشن اقبال کراچی

وقت خطاب : بعد نماز عصر تا مغرب

اصلاحی خطبات : جلد نمبر ۱۵

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْم ط

دلوں کو پاک کریں

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ نَحْمَدُہٗ وَ نَسْتَعِیْنُہٗ وَ نَسْتَغْفِرُہٗ وَ نُؤْمِنُ بِہٖ وَنَتَوَکَّلُ عَلَیْہِ وَنَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَیِّئَاتِ اَعْمَالِنَا۔ مَنْ یَّھْدِہِ اللّٰہُ فَلاَ مُضِلَّ لَہٗ وَمَنْ یُّضْلِلْہُ فَلاَ ھَادِیَ لَہٗ وَأَشْھَدُ اَنْ لَّا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَاشَرِیْکَ لَہٗ وَأَشْھَدُ اَنَّ سَیِّدَنَا وَنَبِیَّنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّداً عَبْدُہٗ وَ رَسُوْلُہٗ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَبَارَکَ وَسَلَّمَ تَسْلِیْمًا کَثِیْرًا۔

أَمَّا بَعْدُ! فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ ○ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ○ قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ○الَّذِیْنَ ھُمْ فِیْ صَلَاتِھِمْ خٰشِعُوْنَ○ وَالَّذِیْنَ ھُمْ عَنِ اللَّغْوِ مُعْرِضُوْنَ ○ وَالَّذِیْنَ ھُمْ لِلزَّکٰوۃِ فٰعِلُوْنَ○ (سورۃ المؤمنون: ۱۔۴)

آمنت باللّٰہ صدق اللّٰہ مولانا العظیم وصدق رسولہ النبی الکریم ونحن علی ذٰلک من الشاھدین والشاکرین والحمدللّٰہ ربّ العٰلمین

تمہید

بزرگانِ محترم و برادرانِ عزیز! جو آیات میں نے آپ کے سامنے تلاوت کیں ان کی تشریح پچھلے چند جمعوں سے بیان کی جارہی ہے۔ ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے فلاح یافتہ مؤمنوں کے لئے یہ ضروری قرار دیا ہے کہ ان کے اخلاق پاکیزہ ہوں۔ قرآن کریم نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو دنیا میں بھیجنے کا ایک مقصد یہ بیان فرمایا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں کے اخلاق کو پاکیزہ بنائیں۔ اس کی اہمیت اس لئے ہے کہ انسان کے جتنے اعمال وافعال ہیں، وہ سب اس کے اخلاق پر مبنی ہوتے ہیں، اگر انسان کوئی اچھا کام کرتا ہے تو وہ اچھے اخلاق کے نتیجے میں کرتا ہے اور اگر وہ کوئی برا کام کرتا ہے تو وہ برے اخلاق کے نتیجے میں کرتا ہے، اگر انسان کے اخلاق درست ہو جائیں تو اس کی ساری زندگی درست ہو جائے اور اگر اس کے اخلاق خراب ہو جائیں تو ساری زندگی خراب ہو جائے۔

دل کی اہمیت

اسی بات کو جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک حدیث میں فرمایا:

اَلاَ اِنَّ فِی الْجَسَدِ لَمُضْغَۃً اِذَا صَلُحَتْ صَلُحَ
الْجَسَدُ کُلُّہٗ وَاِذَا فَسَدَتْ فَسَدَ الْجَسَدُ کُلُّہٗ
اَلاَ وَھِیَ الْقَلْبُ (اتحاف السادۃ المتقین، ج۳ص۱۵۳)

یعنی جسم میں ایک لوتھڑا ہے، اگر وہ صحیح ہو جائے تو سارا جسم صحیح رہتا ہے اور اگر وہ خراب ہو جائے تو سارا جسم خراب ہو جاتا ہے، وہ لوتھڑا انسان کا دل ہے۔ مطلب یہ ہے کہ دل میں جو جذبات اور خواہشات پیدا ہوتی ہیں، اگر وہ صحیح نہ ہوں تو انسان کی پوری زندگی خراب ہو جاتی ہے۔

فساد کی وجہ اخلاق کی خرابی ہے

ہمارے موجودہ حالات میں اور اس دور میں اس کی اہمیت اس لئے زیادہ ہے کہ ہمیں اپنے اردگرد جو فساد پھیلا ہوا نظر آتا ہے، اگر اس میں غور کریں تو یہ نظر آئے گا کہ یہ فساد درحقیقت اس بات پر مبنی ہے کہ آج اخلاق کے درست کرنے کا اہتمام نہیں، اگر ہمارے دلوں میں جذبات صحیح پرورش پاتے، نیک خواہشات پیدا ہوتیں تو آج ہمیں اپنے گردوپیش میں اتنا بڑا فساد نظر نہ آتا، کوئی ظالم دوسرے پر ظلم اس لئے کرتا ہے کہ اس کے دل میں ایسے جذبات اور خواہشات پیدا ہو رہی ہیں جو شیطانی جذبات اور شیطانی خواہشات ہیں، جو گندگیوں اور نجاستوں سے بھری ہوئی ہیں، کوئی آدمی عریانی اور فحاشی میں اس لئے مبتلا ہوتا ہے کہ اس کے دل میں گندی خواہشات اور گندے جذبات پیدا ہو رہے ہیں، اگر یہ گندے خیالات اور جذبات پیدا نہ ہوتے تو وہ

فحاشی اور عریانی کے کام نہ کرتا، اسی چیز نے ہمارے معاشرے میں فساد پھیلایا ہوا ہے۔

اخلاق کی خرابی کے نتائج

خاص طور پر معاشرت کے ماحول میں اور معیشت کے ماحول میں اور سیاست کے ماحول میں ان اخلاق کی خرابی نے ہمیں اسفل السافلین میں پھینکا ہوا ہے، آج ہمارے ملک میں جو حالات چل رہے ہیں، اس میں ہر شخص یہ شکوہ کر رہا ہے کہ رشوت کا بازار گرم ہے، کرپشن پھیلا ہوا ہے، حرام کھانے کے لئے لوگ منہ کھولے بیٹھے ہیں اور حرام مال کو شیر مادر سمجھ لیا گیا ہے، وہ یہ سمجھتے ہیں کہ جس طرح شیر مادر حلال ہے، اسی طرح رشوت کا مال بھی حلال ہے، دھوکے کا مال بھی حلال ہے، جھوٹ کے ذریعہ آنے والا مال بھی حلال ہے، بلکہ بسا اوقات وہ لوگ جو اپنی ذاتی زندگی میں نمازیں پڑھتے ہیں، عبادتیں ادا کرتے ہیں، وعظ وتقریر بھی سنتے ہیں، لیکن جب وہ لوگ دنیا کے کاروبار میں داخل ہوتے ہیں اور روپے پیسے کے معاملات کرتے ہیں تو اس میں حلال و حرام کی تمیز نہیں کرتے، وہ یہ نہیں سوچتے کہ پیسہ جو میں کما رہا ہوں، یہ حلال کما رہا ہوں یا حرام کما رہا ہوں، یہ لقمہ جو میرے منہ میں جا رہا ہے، یہ حلال کا لقمہ ہے یا حرام کا لقمہ ہے، بلکہ آج پیسے حاصل کرنے کے لئے جھوٹ بولنے میں کوئی باک نہیں، جھوٹا سرٹیفکیٹ بنانے میں کوئی خوف نہیں، جھوٹی شہادت دینے میں کوئی عار نہیں، جب روپے پیسے کا معاملہ آجاتا ہے تو ساری دین داری اور

سارا تقویٰ دھرا رہ جاتا ہے۔

روپیہ حاصل کرنے کی دوڑ

آج یہ دوڑ لگی ہوئی ہے کہ دونوں ہاتھوں سے جتنا روپیہ سمیٹا جائے سمیٹ لو، چاہے حلال طریقے سے ہو یا حرام طریقے سے ہو، بس پیسہ آنا چاہئے، اس کے لئے اگر رشوت لینی پڑے تو رشوت لو، اگر رشوت دینی پڑے تو رشوت دو، اس کے لئے اگر دھوکہ دینا پڑے تو دھوکہ دو، اگر جھوٹے کاغذات بنانے پڑیں تو جھوٹے کاغذات بناؤ، اگر جھوٹی گواہی دینی پڑے تو جھوٹی گواہی دو، جو کچھ کرنا پڑے، کرگزرو، لیکن پیسہ آنا چاہئے۔ آج ہمارے معاشرے میں جو فساد پھیلا ہوا ہے، وہ درحقیقت اس ذہنیت اور اس فکر کا نتیجہ ہے۔

اللہ اور رسول کی محبت کی کمی کا نتیجہ

اگر اللہ تعالیٰ کی محبت اور اللہ تعالیٰ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور اپنے مسلمان بھائیوں کی محبت دل میں جاگزیں ہوتی تو پھر دنیا کی محبت اور دنیا کے مال و دولت کی محبت دل پر غالب نہ ہوتی اور آدمی دنیا کے حصول کے لئے حلال وحرام کو ایک نہ کرتا۔

عراق پر امریکہ کا حملہ

آج پوری امت مسلمہ کے دل ان واقعات کی وجہ سے ٹوٹے ہوئے ہیں جو ''عراق'' میں گزشتہ دنوں پیش آئے، سقوط بغداد کا المناک سانحہ جو پیش

آیا، اس پر ہر مسلمان کا دل مرجھایا ہوا ہے، لوگ پریشان ہیں اور یہ پریشانی بھی بجا ہے، کیونکہ ایک مسلمان ملک پر ظلم اور تشدد کے ساتھ حملہ کیا گیا اور ساری دنیا تماشہ دیکھتی رہی اور کوئی مسلمان ملک اس کی مدد کے لئے آگے نہ بڑھ سکا، اس واقعہ کی وجہ سے پوری امت مسلمہ میں ایک بے چینی، ایک اضطراب، ایک صدمہ، ایک افسوس اور ایک رنج کی کیفیت ہے۔

قرآن کریم کا ارشاد اور اس پر عمل چھوڑنے کا نتیجہ

لیکن یہ بات یاد رکھئے کہ اللہ تعالیٰ نے اس دنیا کو عالم اسباب بنایا ہے اور اللہ تعالیٰ نے اس دنیا کے اندر ہمارے اوپر کچھ فرائض عائد کئے ہیں اور اس دنیا میں یہ قانون بنایا ہے کہ جو شخص جیسے اسباب اختیار کرے گا، اللہ تعالیٰ اس کو ویسا نتیجہ عطا فرمائیں گے۔ صدیوں سے ہمارا حال یہ ہے کہ ہم نے قرآن کریم کے ارشادات کو پسِ پُشت ڈالا ہوا ہے، قرآن کریم کے ارشادات میں ایک اہم ارشاد یہ ہے کہ:

وَاَعِدُّوْا لَهُمْ مَّا اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ قُوَّةٍ وَّمِنْ رِّبَاطِ الْخَيْلِ تُرْهِبُوْنَ بِهٖ عَدُوَّ اللّٰهِ وَعَدُوَّكُمْ۔

(سورۃ الانفال: آیت نمبر ۶۰)

یعنی تم جتنی زیادہ سے زیادہ اپنی قوت بنا سکتے ہو اور قوت حاصل کر سکتے ہو، وہ قوت حاصل کرو۔ آج سے چودہ سو سال پہلے اس کے ذریعہ مسلمانوں کو خطاب کیا جا رہا ہے کہ تم ایسی قوت حاصل کرو جس کے ذریعہ تم اللہ تعالیٰ کے دشمن پر

اور اپنے دشمن پر رعب طاری کرسکو۔ اس حکم کا تقاضہ یہ تھا کہ پوری امت مسلمہ جہاں کہیں بھی ہو، اپنے آپ کو مضبوط بنانے کی پوری کوشش کرے، اپنے دفاع کے لحاظ سے، سازوسامان کے لحاظ سے اور معیشت کے لحاظ سے اپنے آپ کو مضبوط بنائے۔

مسلمان وسائل سے مالا مال ہیں

لیکن بحیثیت مجموعی اگر امت مسلمہ پر نظر ڈالی جائے تو یہ نظر آئے گا کہ مسلمانوں نے اپنے آپ کو مضبوط بنانے کے بجائے اپنی ساری لگام غیروں کے ہاتھ میں دی ہوئی ہے۔ آج مسلمانوں کی تعداد اتنی زیادہ ہے کہ تاریخ میں روئے زمین پر اتنی تعداد اس سے پہلے کبھی نہیں ہوئی، آج مسلمانوں کے پاس اتنے وسائل ہیں کہ تاریخ میں اس سے پہلے اتنے وسائل کبھی نہیں رہے، آج اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو اتنی دولت عطا فرمائی ہے کہ تاریخ میں اس سے پہلے اتنی دولت کبھی ان کے پاس نہیں رہی، دنیا کے عظیم ترین وسائلِ پیداوار اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کے خطے میں عطا فرمائے ہیں، تیل یہاں نکلتا ہے، گیس یہاں نکلتی ہے، سونا یہاں نکلتا ہے اور اللہ تعالیٰ نے بہترین انسانی صلاحیتیں یہاں عطا فرمائی ہیں اور سارے کرۂ زمین کا نقشہ اٹھا کر دیکھیں تو یہ نظر آئے گا کہ پورے کرۂ زمین کا دل مسلمانوں کے پاس ہے۔

ذاتی مفاد کو سامنے رکھنے کے نتائج

مراکش سے لے کر انڈونیشیا تک مسلسل اسلامی ملکوں کا سلسلہ ہے، گویا

کہ ایک زنجیر ہے جس میں مسلمان پروئے ہوئے ہیں، درمیان میں صرف دو ملک حائل ہیں، ایک اسرائیل اور ایک بھارت۔ دنیا کی عظیم ترین شاہراہیں مسلمانوں کے قبضے میں ہیں، نہر سوئز ان کے پاس ہے، آبنائے باسفورس ان کے پاس ہے، خلیج عدن ان کے پاس ہے، اگر مسلمان متحد ہوکر اپنی اس طاقت کو استعمال کریں تو غیر مسلموں کے ناک میں دم کر دیں، لیکن مسلمانوں کا حال یہ ہے کہ ان تمام وسائل سے فائدہ اٹھانے کے بجائے ہر شخص اپنے ذاتی مفاد کو سوچ رہا ہے، اس ذاتی مفاد کا نتیجہ یہ ہے کہ وہ ممالک جن کے اندر سونے کی ریل پیل ہے، جن کے یہاں تیل بے تحاشہ پیدا ہو رہا ہے، انہوں نے اپنی ساری زندگی کا دارومدار دوسرے ممالک سے درآمد کئے ہوئے سامان پر رکھا ہوا ہے، ان کے اپنے ملک میں کوئی چیز پیدا نہیں ہوتی اور نہ ہی ان ممالک میں ایسے افراد تیار کئے جاتے ہیں جو اس دور کے لحاظ سے ساز و سامان تیار کرسکیں اور مناسب اسلحہ تیار کرسکیں۔

ہم لوگ خود غرضی میں مبتلا ہیں

یہ سب کچھ اس لئے ہو رہا ہے کہ اس ساری دولت پر اور سارے وسائل پر خود غرضی کا شیطان مسلط ہے، ہر انسان یہ چاہتا ہے کہ مجھے پیسے ملنے چاہئیں، چاہے حلال طریقے سے ملیں یا حرام طریقے سے ملیں، وقتی طور پر میں خوش ہو جاؤں، وقتی طور پر میرا کام بن جائے وقتی طور پر مجھے راحت مل جائے، چاہے اس کی خاطر مجھے قوم اور ملک کو داؤ پر لگانا پڑ جائے، چاہے اس کی خاطر

مجھے اپنی پوری ملت کو بیچنا پڑ جائے، لیکن میں کسی طرح اپنا الو سیدھا کرلوں۔ یہ وہ ماحول ہے جس میں ہم اور آپ زندگی گزار رہے ہیں اور حکّام سے لے کر عوام تک ہر شخص اس بیماری میں مبتلا ہے۔

ہمارے ملک میں کرپشن

آج ہر شخص کرپشن کا رونا رو رہا ہے، ہر شخص یہ کہتا ہے کہ حکومت کے کسی دفتر میں جاؤ تو اس وقت تک کام نہیں بنتا جب تک پیسے نہ کھلائے جائیں، دفتروں میں لوگ حرام کھانے کے لئے منہ کھولے بیٹھے ہیں۔ یہ شکایت ہر شخص کر رہا ہے، لیکن جب اس کو موقع مل جائے تو وہ بھی اپنا منہ کھولے بغیر نہیں رہتا اور وہ اس سے زیادہ رشوت لے گا جتنی وہ دوسروں کے رشوت لینے کی شکایت کر رہا تھا، وہ دوسروں سے زیادہ کرپشن کا مظاہرہ کرے گا، جھوٹے سرٹیفکیٹ بنائے گا، جھوٹی شہادتیں دے گا، یہ سب کام ہمارے ملک اور ہمارے معاشرے میں ہو رہے ہیں۔

دنیا میں کامیابی کیلئے محنت شرط ہے

بیشک یہ دنیا اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے بنائی ہے، لیکن یہ دنیا اس لئے بنائی ہے کہ اس میں محنت اور جدوجہد کر کے حلال اور جائز طریقے سے کماؤ اور اس کے وسائل کو اپنی بہتری کے لئے اور امت کی بہتری کے لئے استعمال کرو، یہ دنیا اللہ تعالیٰ نے اس لئے نہیں بنائی تھی کہ ہر انسان دوسرے کو دھوکہ دے کر اور فریب دے کر دولت کمائے اور دوسروں پر ڈاکہ ڈالے اور اپنی تجوریاں بھرتا

چلا جائے اور ملک وملت کو فراموش کر دے، آج مسلمانوں نے چونکہ یہ وتیرہ اختیار کیا ہوا ہے، اس لئے ان کی ہر جگہ پٹائی ہو رہی ہے، دشمن سے کیا شکوہ کریں، دشمن کا تو کام ہی یہ ہے کہ وہ ہمیں تباہ کرے، شکوہ اور گلہ تو اپنا ہے کہ ہم نے اپنے آپ کو ایسا بنالیا ہے کہ دنیا کی جو قوم چاہے آکر ہم پر ڈاکہ ڈالے اور خوشی کے تازیانے بجاتے ہوئے یہاں سے چلی جائے۔

اللہ تعالیٰ کا ایک اصول

یاد رکھئے! یہ صورت حال اس وقت تک نہیں بدلے گی جب تک ہم اپنے آپ کو نہیں بدلیں گے، قرآن کریم کا واضح ارشاد ہے کہ:

اِنَّ اللّٰهَ لَا يُغَيِّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتّٰى يُغَيِّرُوْا مَا بِاَنْفُسِهِمْ۔ (سورۃ الرعد: آیت نمبر ۱۱)

یعنی اللہ تعالیٰ اس قوم کی حالت کو نہیں بدلتے جو قوم خود اپنے آپ کو بدلنے کے لئے تیار نہ ہو۔ یہ قرآن کریم کا ارشاد ہے جو آج سے چودہ سو سال پہلے فرمادیا تھا کہ اگر تم اپنے آپ کو نہیں بدل سکتے تو تمہاری حالت بھی نہیں بدلے گی، اگر تم اپنے کرتوتوں کی وجہ سے پٹ رہے ہو تو پھر تمہاری پٹائی اس وقت تک ہوتی رہے گی جب تک تم اپنے کرتوت نہیں چھوڑو گے۔

ہماری دعائیں کیوں قبول نہیں ہوئیں؟

آج لوگ یہ کہتے ہیں کہ اتنی دعائیں کی گئیں، اللہ تعالیٰ سے اتنا مانگا گیا، لیکن ہماری دعائیں قبول نہیں ہوئیں، ہمیں فتح نہیں دی گئی اور دشمن کو فتح

ہوگئی۔ اس کی کیا وجہ ہے؟ یہاں تک کہ لوگوں کے ایمان متزلزل ہو رہے ہیں، لوگوں کے دلوں میں یہ شکوک اور شبہات پیدا ہو رہے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ہماری مدد کو کیوں نہیں آیا؟ ہماری مدد کیوں نہیں کی؟

لیکن جیسا کہ میں نے عرض کیا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے یہ دنیا عالم اسباب بنائی ہے، جب تم اپنی حالت بدلنے کے لئے تیار نہیں ہو، اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی آواز پر کان دھرنے کے لئے تیار نہیں ہو، بلکہ جہاں تمہیں چار پیسے کا نفع مل رہا ہو، وہاں تم اللہ کو بھلا بیٹھتے ہو اور رسول کو بھی بھلا بیٹھتے ہو تو پھر اللہ تعالیٰ تمہاری مدد کیوں کریں گے؟ قرآن کریم فرماتا ہے کہ:

نَسُوا اللّٰهَ فَنَسِيَهُمْ ۔(سورۃ التوبۃ : آیت نمبر ٦٧)

یعنی انہوں نے اللہ تعالیٰ کو بھلا دیا، اللہ تعالیٰ نے ان کو بھلا دیا۔ اللہ تعالیٰ کو بھلا دینے کا مطلب یہ ہے کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کے احکامات کو چھوڑ دیا۔

ہم پورے دین پر عامل نہیں

عام طور پر لوگوں کے ذہنوں میں یہ خیال آتا ہے کہ ہم نے اللہ تعالیٰ کو کہاں بھلایا، اللہ تعالیٰ نے ہمیں حکم دیا کہ نماز پڑھو، ہم نماز پڑھ رہے ہیں، اللہ تعالیٰ کا حکم تھا کہ جمعہ کی نماز کے لئے آؤ، ہم جمعہ کی نماز کے لئے آرہے ہیں، اللہ تعالیٰ کا حکم تھا کہ رمضان میں روزے رکھو تو ہم روزے رکھ رہے ہیں، لہٰذا ہم نے اللہ کو نہیں بھلایا۔

بات دراصل یہ ہے کہ لوگوں نے صرف نماز پڑھنے اور روزے رکھنے کو

دین سمجھ لیا ہے اور زکوٰۃ دینے اور حج کرنے اور عمرے کرنے کو دین سمجھ لیا ہے، حالانکہ دین کے بے شمار شعبے ہیں، اس میں معاملات بھی ہیں، اس میں معاشرت بھی ہے، اس میں اخلاق بھی ہے، یہ سب دین کے شعبے ہیں، اب ہم نے نماز تو پڑھ لی اور روزہ بھی رکھ لیا، زکوٰۃ کا وقت آیا تو زکوٰۃ بھی دیدی، عمرے کر کے خوب سیر سپاٹے بھی کر لئے، لیکن جب اللہ تعالیٰ کے حکم کے آگے اپنے مصالح کو قربان کرنے کا موقع آتا ہے تو وہاں پھسل جاتے ہیں اور تاویل شروع کر دیتے ہیں کہ آج کل سب لوگ ایسا کر رہے ہیں اور حالات ایسے ہیں وغیرہ وغیرہ۔

آج ہم اللہ تعالیٰ کے احکام کو بھلائے ہوئے ہیں، خاص طور سے اپنی معاشرت کی زندگی میں، اپنے معاملات کی زندگی میں، اخلاق کی زندگی میں اور سیاست کی زندگی میں اسلام کو اور اسلامی احکام کو فراموش کیا ہوا ہے۔

ہم دشمن کے محتاج بن کر رہ گئے ہیں

اسی کا ایک شعبہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں حکم دیا تھا کہ اپنے لئے طاقت کو جمع کرو، لیکن ہم نے یہ طاقت جمع نہیں کی اور پھر یہ طاقت کیسے حاصل ہوتی جب کہ ہمارے سارے وسائل رشوت کی نذر ہو رہے ہیں، کرپشن کی نذر ہو رہے ہیں اور اس کے نتیجے میں ہر وقت اپنے دشمنوں کے سامنے بھیک کا پیالہ لئے کھڑے ہیں اور ان سے مانگتے ہیں کہ خدا کے لئے ہماری مدد کرو۔ اب اگر وہ دشمن ہماری پٹائی کرتا ہے یا ہم پر حکومت کرتا ہے تو پھر اس کا شکوہ کیوں

کرتے ہیں؟ کیونکہ ہم نے خود اپنے آپ کو ان کا محتاج بنا دیا ہے اور اپنے حالات ہم نے ایسے بنا رکھے ہیں کہ اس کے نتیجے میں ہماری زندگی ان پر موقوف ہوگئی ہے، لہٰذا ان سے کیا شکوہ؟ شکوہ تو اپنا ہے کہ ہم نے خود اپنے کو ذلیل کیا۔ اگر آج بھی ہمارے پاکستان جیسے ملک کے وسائل ٹھیک دیانتداری اور امانت داری کے ساتھ استعمال ہوں اور ہم یہ تہیہ کرلیں کہ ہم اپنی چادر کی حد تک پاؤں پھیلائیں گے اور اپنے وسائل کے دائرے میں رہ کر کام کریں گے اور اپنے وسائل کا صحیح استعمال کریں گے تو پھر ہمیں بھیک کا پیالہ لے کر دوسروں کے پاس جانا نہیں پڑے گا اور ہم خود کفیل ہو جائیں گے اور اپنے پاؤں پر کھڑے ہو جائیں گے اور اپنی قوت مجتمع کریں گے، لیکن اس ملک میں رشوت اور کرپشن نے ہماری زندگی کو تباہ کیا ہوا ہے۔

اس واقعہ سے سبق لو

بہرحال! یہ جو کچھ ہوا (کہ امریکہ نے عراق پر حملہ کرکے وہاں کی حکومت کو تخت وتاراج کر دیا اور خود قابض ہوگیا) اس پر صدمہ تو اپنی جگہ ہے، لیکن ہمیں اس واقعہ سے سبق لینے کی ضرورت ہے، وہ سبق یہ ہے کہ ہم میں سے ہر شخص یہ تہیہ کرلے کہ آج کے دن کے بعد کوئی حرام لقمہ ہمارے پیٹ میں نہیں جائے گا، کوئی حرام پیسہ ہمارے گھر میں نہیں آئے گا، رشوت کا پیسہ نہیں آئے گا، دھوکے کا پیسہ نہیں آئے گا، جھوٹ کا پیسہ نہیں آئے گا، سود کا پیسہ نہیں آئے گا، گھر میں جو پیسہ آئے گا وہ حلال کا اور محنت کا پیسہ آئے گا۔ میں آپ

حضرات سے اللہ کے بھروسے پر یقین کے ساتھ کہہ سکتا ہوں کہ جس دن قوم نے یہ تہیہ کرلیا تو انشاء اللہ کوئی دشمن ان پر فتح یاب نہیں ہو سکے گا۔

معاشرے کی اصلاح فرد کی اصلاح سے ہوتی ہے

لوگ یہ اشکال پیش کرتے ہیں کہ جب سارا معاشرہ ہی خراب ہے تو اگر ہم نے اپنے اندر کوئی تبدیلی کر بھی لی تو ہم اکیلئے پورے معاشرے کو کیسے بدل سکتے ہیں؟ اکیلا چنا کیا بھاڑ پھوڑے گا، ہماری تبدیلی سے معاشرے پر کیا اثر مرتب ہوگا؟

یاد رکھئے! یہ شیطان کا دھوکہ ہے، اگر ہر آدمی یہی سوچتا رہے تو کبھی بھی اصلاح نہیں ہوسکتی، اصلاح اس طرح ہوتی ہے کہ ایک شخص اپنی زندگی کو درست کرتا ہے تو اس کے نتیجے میں کم از کم ایک برائی اس دنیا سے دور ہو جاتی ہے، جب ایک برائی دور ہوئی تو امید کا ایک چراغ جل گیا اور اللہ تعالیٰ کی سنت یہ ہے کہ جب ایک چراغ جلتا ہے تو اس چراغ سے دوسرا چراغ جلتا ہے اور دوسرے سے تیسرا چراغ جلتا ہے اور بالآخر اللہ تعالیٰ اس کے ذریعہ ماحول میں روشنی پیدا فرمادیتے ہیں۔

آپ یہ تہیہ کرلیں

بہرحال! ایک طرف تو یہ ہو کہ ہر انسان اپنے گریبان میں منہ ڈالے اور یہ تہیہ کرے کہ میں اپنی زندگی میں اللہ تعالیٰ کے احکام کی پیروی کروں گا اور اللہ تعالیٰ کی وہ نافرمانی جس نے سارے معاشرے میں فساد مچایا ہوا ہے، نہیں

کروں گا یعنی کرپشن نہیں کروں گا اور کوئی حرام پیسہ میرے گھر میں نہیں آئے گا۔ اور دوسرے طرف اس ملک کے وسائل صحیح طور پر استعمال ہونے لگیں تو اس ملک کو بھی ترقی حاصل ہوگی اور اس کے اندر قوت آئے گی اور جب قوت آجائے گی تو کسی دشمن کو جرأت نہیں ہوگی کہ وہ بری نظر اس پر ڈالے۔

امریکہ کی بزدلی

آپ دیکھ رہے ہیں کہ اتنی بڑی سپر طاقت (امریکہ) جس کی طاقت اور قوت کا دنیا بھر میں ڈنکا بجا ہوا ہے، اس کو بھی اپنی بہادری کا مظاہرہ کرنے کے لئے نہتے مسلمان ہاتھ آئے، فغانستان جس کے پاس کوئی جنگی تیارہ نہیں تھا، نہ اس کے پاس جدید اسلحہ تھا، نہ اس کے پاس کوئی منظم فوج تھی یا وہ ملک (عراق) جس پر سالہا سال سے پابندیاں عائد تھیں جو دوا کی ایک پڑیا بھی باہر سے نہیں منگوا سکتا تھا اور جس کے تیاروں کو اڑنے سے روکا ہوا تھا ان کے اوپر اپنی طاقت کا مظاہرہ کیا اور پھر امریکہ نے اکیلے حملہ نہیں کیا بلکہ برطانیہ اور دوسرے اتحادی ملکوں کی فوج کے ساتھ حملہ کیا، جب تک سوویت یونین (روس) موجود تھا، اس وقت تک اس کو کسی ملک پر حملہ کرنے کی جرأت نہیں ہوئی، لیکن جب اس کا مدمقابل ختم ہوگیا اور نہتے مسلمان ہاتھ آگئے تو ان نہتوں پر حملہ کرنے اور ان پر اپنی بہادری کا مظاہرہ کرنے کا شوق پیدا ہوا۔

ایسے حملے کب تک ہونگے ؟

لہٰذا جب تک امت مسلمہ اپنے آپ کو ایسا مدمقابل نہیں بنائیں گے کہ

دشمن جب اس پر حملہ کرنے کا ارادہ کرے تو اس پر جھرجھری آ جائے، اس وقت تک یہ ہوتا رہے گا کہ کل افغانستان پر حملہ کیا اور آج عراق پر حملہ کر دیا اور آئندہ کل کسی اور مسلم ملک پر حملہ کر دے گا۔ لیکن اگر امت مسلمہ قرآن کریم کے اس حکم پر عمل کر لے کہ:

وَاَعِدُّوْا لَهُمْ مَّااسْتَطَعْتُمْ مِّنْ قُوَّةٍ۔

یعنی جو قوت تم تیار کر سکتے ہو وہ قوت تیار کرو۔ تو پھر انشاء اللہ دشمن ہمارے اوپر بری نگاہ ڈالنے کی جرأت بھی نہیں کر سکے گا۔ البتہ یہ قوت اس کرپشن کے ماحول میں تیار نہیں ہو سکتی، یہ قوت اس وقت تیار ہوگی جب ہم اپنے آپ کو بدلنے کی کوشش کریں گے اور اس کرپشن کو ختم کریں گے۔

دلوں کو ان بیماریوں سے پاک کرلو

اور یہ ساری خرابی اس لئے پیدا ہو رہی ہے کہ ہمارے دلوں میں مال کی محبت بیٹھی ہوئی ہے، دل میں دنیاوی عیش و عشرت کی محبت بیٹھی ہوئی ہے، دل میں خود غرضی اور مفاد پرستی کی محبت بیٹھی ہوئی ہے، اس محبت نے ہمیں تباہ کیا ہوا ہے۔ قرآن کریم کا کہنا یہ ہے کہ:

وَالَّذِیْنَ هُمْ لِلزَّكٰوةِ فٰعِلُوْنَ۔

یعنی فلاح پانے والے مؤمنین اپنے آپ کو ان بیماریوں سے پاک صاف بنانے والے ہیں، اگر تم اپنے آپ کو ان بیماریوں سے پاک صاف بنالو گے تو تم فلاح پا جاؤ گے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو ان باتوں پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

وَآخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

تصوف کی حقیقت

شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہم

ضبط و ترتیب

محمد عبداللہ میمن

میمن اسلامک پبلشرز

۱۸۸/۱، لیاقت آباد، کراچی ۱۹

مقام خطاب : جامع مسجد بیت المکرّم
گلشن اقبال کراچی
وقت خطاب : بعد نماز عصر تا مغرب
اصلاحی خطبات : جلد نمبر : ۱۵

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

"تصوف" کی حقیقت

اَلحَمدُ لِلّٰہِ نَحمَدُہٗ وَ نَستَعِینُہٗ وَ نَستَغفِرُہٗ وَ نُؤمِنُ بِہٖ وَنَتوَکَّلُ عَلَیہِ ونَعُوذُ بِاللّٰہِ مِن شُرُورِ اَنفُسِنَا وَمِن سَیِّئَاتِ اَعمَالِنَا۔ مَن یَّھدِہِ اللّٰہُ فَلاَ مُضِلَّ لَہٗ وَمَن یُّضلِلہُ فَلاَ ھَادِیَ لَہٗ وَاَشھَدُ اَن لَّا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحدَہٗ لَاشَرِیکَ لَہٗ وَاَشھَدُ اَنَّ سَیِّدَنَا وَنَبِیَّنَا ومَولَانَا مُحَمَّدًا عَبدُہٗ و رَسُولُہٗ صَلَّی اللّٰہُ تعالٰی علَیہِ وَعلٰی اٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَبَارَکَ وَسَلَّمَ تَسلِیمًا کَثِیرًا۔

اَمَّا بَعدُ! فَاَعُوذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیطٰنِ الرَّجِیمِ ○ بِسمِ اللّٰہِ الرَّحمٰنِ الرَّحِیمِ ○ قَد اَفلَحَ المُؤمِنُونَ ○ اَلَّذِینَ ھُم فِی صَلَاتِھِم خٰشِعُونَ ○ وَالَّذِینَ ھُم عَنِ اللَّغوِ مُعرِضُونَ ○ وَالَّذِینَ ھُم لِلزَّکٰوۃِ فٰعِلُونَ ○ وَالَّذِینَ ھُم لِفُرُوجِھِم

حٰفِظُوْنَ ○ اِلَّا عَلٰٓى اَزْوَاجِهِمْ اَوْمَامَلَكَتْ
اَيْمَانُهُمْ فَاِنَّهُمْ غَيْرُ مَلُوْمِيْنَ ○

(سورۃ المؤمنون: ا۔ ۷)

آمنت بالله صدق الله مولانا العظيم وصدق
رسوله النبى الكريم ونحن على ذلك من
الشاهدين والشاكرين والحمدلله رب العلمين

تمہید

بزرگانِ محترم و برادرانِ عزیز! سورۃ المؤمنون کی ابتدائی آیات کا بیان کئی جمعوں سے چل رہا ہے جس میں اللہ تبارک و تعالیٰ نے فلاح پانے والے مؤمنین کی صفات بیان فرمائی ہیں، ان میں سے چوتھی آیت میں ایک صفت یہ بیان فرمائی کہ فلاح پانے والے مؤمن وہ ہیں جو زکوٰۃ پر عمل کرنے والے ہیں۔ میں نے پہلے عرض کیا تھا کہ اس آیت کے دو مطلب ہیں۔ ایک مطلب ہے زکوٰۃ ادا کرنا۔ اور دوسرا مطلب ہے اپنے اخلاق کو پاکیزہ بنانا۔ اس دوسرے مطلب کو بیان کرنے میں کئی جمعے گزر گئے، آج اس کا تتمہ عرض کرنا ہے۔ پھر زندگی رہی تو انشاء اللہ اگلی آیتوں کی طرف متوجہ ہوں گے۔

باطن سے متعلق لازم احکام

جیسا کہ میں نے عرض کیا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے جس طرح ہماری ظاہری زندگی سے متعلق کچھ احکام ہم پر لازم کئے ہیں مثلاً نماز، روزہ وغیرہ، اسی طرح

ہمارے باطن سے متعلق بھی کچھ احکام اللہ تعالیٰ نے عائد فرمائے ہیں، مثلاً یہ کہ انسان کے دل میں "اخلاص" ہونا چاہئے، ریاکاری نہیں ہونی چاہئے، انسان کے دل میں اللہ تعالیٰ کی اور اللہ تعالیٰ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت ہونی چاہئے، انسان کے دل میں تواضع ہونی چاہئے، اپنی بڑائی دل میں نہ ہونی چاہئے، جب "صبر" کرنے کا موقع آئے تو انسان کو صبر کرنا چاہئے، جب شکر کا موقع آئے تو "شکر" کرنا چاہئے۔ ان سب احکام کا تعلق انسان کے قلب اور باطن سے ہے۔

باطن سے متعلق حرام کام

اسی طرح باطن سے متعلق بہت سے کام حرام ہیں، مثلاً "حسد" کرنا حرام ہے، "تکبر" کرنا حرام ہے، کسی سے "بغض" رکھنا حرام ہے، ریاکاری اور نام ونمود کرنا حرام ہے۔ ان اخلاق کو درست کرنا اور ان کو پاکیزہ بنانا بھی ایک مؤمن کا انتہائی اہم فریضہ ہے، صرف اتنی بات کافی نہیں کہ آپ نے نماز پڑھ لی اور رمضان کے روزے رکھ لئے اور زکوۃ ادا کردی، موقع ہوا تو حج کرلیا اور عمرہ کرلیا، بات ختم ہوگئی، ایسا نہیں ہے، بلکہ باطن کے ان اعمال اور اخلاق کی اصلاح ضروری ہے کہ دل میں "تکبر" نہ ہو" حسد" نہ ہو، ریاکاری نہ ہو، نام و نمود نہ ہو، دنیا کی محبت دل میں بیٹھی ہوئی نہ ہو، بلکہ اللہ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت دل میں ہو، یہ سب چیزیں باطن کے اندر حاصل ہونی ضروری ہیں۔

یہ چیزیں تربیت کے ذریعہ حاصل ہوتی ہیں

اب سوال یہ ہے کہ یہ چیزیں باطن کے اندر کیسے حاصل ہوں؟ خوب سمجھ لیں کہ یہ چیزیں محض کتابیں پڑھ لینے سے حاصل نہیں ہوتیں، محض تقریریں سن لینے سے حاصل نہیں ہوتیں، بلکہ اس کے لئے تربیت کی ضرورت ہوتی ہے۔ جیسا کہ پہلے عرض کیا تھا کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے جو مقاصد قرآن کریم نے بیان فرمائے ہیں، ان میں سے ایک مقصد یہ تھا کہ آپ لوگوں کے اخلاق کو پاکیزہ بنائیں اور ان کے دلوں سے بداخلاقی کی گندگیاں دور فرمائیں، یہ کام تربیت کے ذریعہ ہوتا ہے، ہمارے اسلامی علوم میں "تصوف" جس علم کو کہا جاتا ہے، اس کا اصل مقصد تربیت اخلاق ہی ہے۔ آپ نے "فقہ" کا لفظ سنا ہوگا، "فقہ" اس علم کو کہا جاتا ہے جس میں ظاہری اعمال کے احکام بیان کئے جاتے ہیں کہ کیا کام جائز ہے اور کیا ناجائز ہے؟ کیا حلال ہے اور کیا حرام ہے؟ نماز کے اوقات کیا ہیں؟ نماز کس طرح درست ہے اور کس طرح فاسد ہو جاتی ہے؟ روزے کے کیا احکام ہیں؟ زکوٰۃ کے کیا احکام ہیں؟ حج کے کیا احکام ہیں؟ یہ سب باتیں علم فقہ کے اندر بیان کی جاتی ہیں اور ان احکام کا تعلق ظاہری اعمال سے ہے۔

"علم تصوف" کے بارے میں غلط فہمیاں

لیکن اخلاق سے متعلق جو باتیں میں عرض کر رہا ہوں، ان کا بیان اور ان کو حاصل کرنے کا طریقہ "علم تصوف" میں بتایا جاتا ہے۔ آج "علم تصوف"

کے بارے میں لوگ افراط وتفریط میں مبتلا ہو گئے ہیں، بعض لوگ تو سمجھتے ہیں کہ ''تصوف'' کا شریعت سے کوئی واسطہ نہیں اور قرآن کریم اور حدیث مبارکہ میں اس کا کہیں ذکر نہیں، بلکہ ''تصوف'' کو اختیار کرنا بدعت ہے۔ خوب سمجھ لیں کہ قرآن کریم اور حدیث مبارکہ نے اخلاق کو درست کرنے کا جو حکم دیا ہے، وہی ''تصوف'' کا موضوع ہے، اس لئے یہ ''تصوف'' قرآن کریم اور حدیث مبارکہ کے خلاف نہیں۔ جبکہ دوسرے بعض لوگوں نے ''تصوف'' کو غلط معنیٰ پہنا دیئے ہیں، ان کے نزدیک ''تصوف'' کے معنیٰ ہیں مراقبے کرنا، کشف حاصل ہونا، الہام ہونا، خواب اور اس کی تعبیر اور کرامات کا حاصل ہونا وغیرہ۔ ان کے نزدیک اسی کا نام ''تصوف'' ہے، اس کے نتیجے میں ان لوگوں نے بعض اوقات تصوف کے نام پر ایسے کام شروع کر دیئے جو شریعت کے خلاف ہیں۔ اس سلسلے میں تو تصرف کر لئے۔

تصوف کے بارے میں دو تصرف

ایک تصرف تو یہ کیا کہ بہت سے لوگ جو اپنے آپ کو ''صوفی'' کہلاتے ہیں مگر ساتھ میں بھنگ بھی پی رہے ہیں اور کہتے یہ ہیں کہ یہ بھنگ مولویوں کے لئے حرام ہے لیکن صوفیوں کے لئے حلال ہے، اس لئے کہ ہم تو بھنگ پی کر اللہ تعالیٰ کا تقرب حاصل کر رہے ہیں۔ العیاذ باللہ العلی العظیم۔ خدا جانے کہاں کہاں کے خرافات، غلط عقیدے، مشرکانہ خیالات داخل کر دیئے اور اس کا نام ''تصوف'' رکھ دیا۔

دوسرا تصرف یہ کیا کہ مرید پیر کا غلام ہے، جب ایک مرتبہ کسی کو پیر بنالیا تو اب وہ پیر چاہے شراب پیئے، چاہے جوا کھیلے، چاہے حرام کاموں کا ارتکاب کرے، سنتوں کو پامال کرے، لیکن پیر صاحب اپنی جگہ برقرار ہیں، مرید کے ذمے ان کے قدم چومنا لازم ہے اور ہر چند روز کے بعد اس پیر کو نذرانہ پیش کرنا لازم ہے، کیونکہ جب تک وہ پیر صاحب کو اس طرح خوش نہیں کرے گا، جنت کے دروازے اس کے لئے نہیں کھل سکتے، العیاذ باللہ العلی العظیم۔ ''تصوف'' کا یہ تصور نہ قرآن کریم میں ہے اور نہ حدیث میں ہے، اس تصور کا کوئی تعلق شریعت اور سنت سے نہیں ہے۔

تصوف کا اصل تصور

جبکہ ''تصوف'' کا اصل تصور ''اخلاق'' کی اصلاح اور باطنی اعمال کی اصلاح تھا، اس کے لئے ضروری تھا کہ کوئی شخص کسی متبع سنت، صحیح علم رکھنے والے، صحیح عقیدہ رکھنے والے شخص کو اپنا مقتدا بنائے، جس نے خود اپنی تربیت کسی بڑے سے کرائی ہو اور اس سے جا کر کہے کہ میں آپ کی رہنمائی چاہتا ہوں اور وہ پھر اس کی رہنمائی کرے جس طرح صحابہ کرامؓ نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنا مقتدا بنایا کہ آپ ہمارے مربی ہیں، ہماری تربیت کرنے والے ہیں، ہمارے اعمال و اخلاق کو درست کرنے والے ہیں، اس لئے آپ کی اطاعت ہمیں کرنی ہے۔ یہ تصور بالکل درست تھا اور یہ پیری مریدی صحیح تھی اور قرآن و حدیث کے مطابق تھی۔ قرآن و حدیث میں جگہ جگہ اچھے اخلاق

اختیار کرنے کی تلقین فرمائی گئی ہے، ایک حدیث میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

اِنَّمَا بُعِثْتُ لِأُتَمِّمَ مَكَارِمَ الْأَخْلَاقِ

یعنی مجھے تو بھیجا ہی اس لئے گیا ہے تا کہ میں لوگوں کے اخلاق درست کروں اور اس کی تکمیل کروں۔ صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین نے اپنے آپ کو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے حوالے کر دیا تھا کہ آپ جس طرح کہیں گے اسی طرح کریں گے، ہمارا دل چاہ رہا ہو یا نہ چاہ رہا ہو، ہماری عقل میں بات آ رہی ہو یا نہ آ رہی ہو، لیکن آپ جو کچھ فرمائیں گے، ہم اس کے مطابق عمل کریں گے۔ اس کے نتیجے میں اللہ تعالیٰ نے صحابہ کرامؓ کے اخلاق کو ایسا مجلّٰی اور مصفّٰی فرما دیا کہ اس روئے زمین پر اور اس آسمان کے نیچے ایسے بہترین اخلاق والے انسان ان کے بعد پیدا نہیں ہوئے۔ صحابہ کرامؓ کا حال یہ تھا کہ کسی بھی وقت اپنے نفس سے غافل نہیں ہوتے تھے، اگرچہ ان کو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی تربیت حاصل ہوگئی تھی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت کیمیا نے ان کو کندن بنا دیا تھا، لیکن اس کے باوجود ہر وقت یہ دھڑکا لگا رہتا تھا کہ کہیں ہم صحیح راستے سے بھٹک نہ جائیں۔

حضرت فاروق اعظمؓ اور جنت کی بشارت

حضرت فاروق اعظم عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ جن کے بارے میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر میرے بعد کوئی نبی ہوتا تو وہ

عمر بن خطاب ہوتے۔ جنہوں نے اپنے کانوں سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سن لیا کہ عمر جنت میں جائے گا۔ جنہوں نے براہ راست حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ سنا کہ اے عمر! میں جب معراج پر گیا اور جنت کی سیر کی تو وہاں جنت میں ایک بہت شاندار محل دیکھا، میں نے پوچھا کہ یہ کس کا محل ہے؟ تو مجھے بتایا گیا کہ یہ عمر بن خطابؓ کا محل ہے، میرا دل چاہا کہ میں محل کے اندر جا کر دیکھوں، لیکن مجھے تمہاری غیرت یاد آ گئی کہ تم بڑے غیور آدمی ہو، اس لئے تمہارے گھر میں تمہاری اجازت کے بغیر داخل نہیں ہونا چاہئے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یہ بات سنی تو رو پڑے اور فرمایا کہ ''اوعليك يا رسول الله اغار'' یارسول اللہ! کیا میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر غیرت کروں گا۔

حضرت فاروق اعظمؓ اور خوف

ان تمام باتوں کے باوجود آپ کا یہ حال تھا کہ جب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال ہوگیا تو آپ حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس گئے۔ حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ وہ صحابی تھے جن کو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے منافقین کی فہرست بتا رکھی تھی کہ مدینہ میں فلاں فلاں شخص منافق ہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان کے پاس گئے اور ان کو قسم دے کر فرمایا کہ خدا کے لئے بتادو کہ منافقین کی جو فہرست حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کو بتائی ہے، اس فہرست میں کہیں میرا نام تو نہیں

ہے۔ یہ ڈر اس لئے لگا ہوا تھا کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں تو بیشک میری حالت ٹھیک ہوگی جس کی وجہ سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے یہ خوشخبری دی، لیکن کہیں بعد میں میری حالت خراب نہ ہوگئی ہو اور بعد میں میرے اخلاق تباہ نہ ہوگئے ہوں، اس وجہ سے مجھے دھڑکا لگا ہوا ہے۔ یہ تھے صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کہ ہر وقت اور ہر آن ان کو یہ ڈر لگا ہوا تھا کہ کہیں ہمارے اعمال میں اور ہمارے اخلاق میں خرابی نہ آ جائے۔

حضرت فاروق اعظمؓ کا پرنالہ توڑنا

ایک مرتبہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ مسجد نبوی میں تشریف لائے، اس وقت بارش ہو رہی تھی، آپ نے دیکھا کہ کسی شخص کے گھر کے پرنالے سے مسجد نبوی کے صحن میں پانی گر رہا ہے، آپ نے فرمایا کہ گھر کے پرنالے سے مسجد کے اندر پانی نہیں گرنا چاہئے، اس لئے کہ مسجد اس کام کے لئے نہیں ہے کہ لوگ اس کے اندر اپنے گھر کے پرنالے گرایا کریں۔ آپ نے پوچھا کہ یہ کس کا گھر ہے؟ لوگوں نے بتایا کہ یہ حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا گھر ہے جو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا تھے، حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ یہ غلط بات ہے، مسجد کسی کی جاگیر نہیں ہوتی اور اس کے اندر گھر کا پرنالہ گرنا ٹھیک نہیں ہے، یہ کہہ کر آپ نے وہ پرنالہ توڑ دیا۔

میری پیٹھ پر کھڑے ہوکر پرنالہ لگاؤ

اس کے بعد حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ تشریف لائے اور پوچھا کہ امیرالمؤمنین! آپ نے یہ پرنالہ کیوں توڑا؟ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ مسجد نبوی وقف ہے اور اللہ تعالیٰ کا گھر ہے اور یہ پرنالہ تمہارے ذاتی گھر کا ہے، اس کا مسجد میں گرنے کا کیا سوال پیدا ہوتا ہے؟ یہ پرنالہ لگانا جائز نہیں تھا، اس لئے میں نے توڑ دیا۔ حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ امیرالمؤمنین! آپ کو معلوم نہیں ہے کہ یہ پرنالہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اجازت سے لگایا تھا، حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی اجازت سے لگائے ہوئے پرنالے کو آپ نے توڑ دیا؟ یہ سن کر حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ سناٹے میں آ گئے اور پوچھا اے عباس! کیا واقعی حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اجازت دی تھی؟ حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ ہاں! حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اجازت دی تھی، حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ میں تمہارے سامنے ہاتھ جوڑتا ہوں کہ خدا کے لئے یہ کرو کہ میں ابھی یہاں جھک کر کھڑا ہوتا ہوں اور تم میری پیٹھ پر کھڑے ہوکر ابھی اسی پرنالے کو درست کرو۔ حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ آپ رہنے دیں، آپ نے اجازت دیدی، بات ختم ہوگئی، میں پرنالے کو لگوالوں گا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ مجھے اس وقت تک چین نہیں آئے گا جب تک کہ کوئی شخص میری کمر پر کھڑے ہوکر اس پرنالے کو نہ لگا

دے، اس لئے کہ ابن خطاب کی یہ مجال کیسے ہوئی کہ اس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اجازت دیئے ہوئے پرنالے میں تصرف کیا اور اس کو توڑ دیا۔ چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنی کمر پر سوار کر کے اس پرنالے کو درست کرایا۔

ایسا کیوں کیا؟

ایسا کیوں کیا؟ یہ اس لئے کیا تاکہ دل میں یہ خیال نہ آجائے کہ اب میں حاکم بن گیا ہوں اور میرا حکم چلتا ہے، اب میں فرعون بن گیا ہوں جو چاہوں کروں، اس لئے اس عمل کے ذریعہ اس خیال کو ختم فرمایا اور اپنے نفس کی اصلاح فرمائی۔ بہرحال ہر لمحہ ان کو اس بات کی فکر تھی کہ ہمارے اخلاق درست ہوں۔

حضرت ابو ہریرہؓ اور نفس کی اصلاح

حضرت ابو ہریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ جو مشہور صحابی ہیں اور بے شمار احادیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کی ہیں، پڑھنے پڑھانے والے تھے، صوفی منش بزرگ تھے۔ ایک مرتبہ ان کو بحرین کا گورنر بنا دیا گیا، اب دن میں یہ وہاں کا انتظام کرتے اور شام کو روزانہ یہ معمول تھا کہ سر پر لکڑیوں کا گٹھر سر پر رکھتے اور بیچ بازار سے گزرتے اور لکڑیاں بیچتے۔ کسی نے ان سے پوچھا کہ یہ کام کیوں کر رہے ہیں؟ انہوں نے فرمایا کہ میرا نفس بڑا شریر ہے، مجھے اندیشہ رہتا ہے کہ حاکم بننے کی وجہ سے کہیں میرے دل میں تکبر نہ آجائے، لہٰذا

میں اپنے نفس کو اپنی حقیقت بار بار دکھاتا رہتا ہوں کہ تیری حقیقت یہ ہے۔

ہمارا حال

حضرات صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین نے اپنے نفس کی اصلاح کرنے اور اپنے اخلاق کو پاکیزہ بنانے اور اپنے دل سے تکبر، حسد، بغض، عداوت اور نفرت ختم کرنے کے لئے بڑی محنت اور مجاہدے کئے، یہی کام صوفیاء کرام کراتے ہیں، جو لوگ ان کے پاس اپنی اصلاح کے لئے آتے ہیں، یہ حضرات صوفیاء کرام ان کے اخلاق کی نگرانی کرتے ہیں۔ لیکن ہمارا حال یہ ہے کہ ہمیں کبھی یہ خیال بھی نہیں آتا کہ ہمارے اندر کچھ خرابی ہے یا کوئی عیب ہے یا ہمارے اخلاق خراب ہیں یا ہمارے اندر تکبر پیدا ہو رہا ہے، خود پسندی آرہی ہے، ریاکاری پیدا ہو رہی ہے، نام و نمود پیدا ہو رہا ہے یا دنیا کی محبت دل میں بیٹھ رہی ہے، ان باتوں کا خیال شاذ و نادر ہی کسی کو آتا ہوگا، بلکہ صبح سے شام تک زندگی کے اوقات گزر رہے ہیں اور ان برائیوں کے ہونے اور نہ ہونے کی کوئی پروا نہیں ہے۔ یہ برائیاں ایسی ہیں کہ انسان کو خود پتہ نہیں چلتا کہ میرے اندر یہ برائی ہے، چنانچہ تکبر کرنے والے کو خود یہ معلوم نہیں ہوتا کہ میں تکبر کر رہا ہوں، تکبر کرنے والے سے اگر پوچھا جائے کہ تم تکبر کرتے ہو؟ وہ کہے گا کہ میں تو تکبر نہیں کرتا، کوئی متکبر یہ نہیں کہے گا کہ میں متکبر ہوں یا کوئی حسد کرنے والا یہ نہیں کہے گا کہ میں حسد کرتا ہوں، حالانکہ اس کے دل میں تکبر اور حسد بھرا ہوا ہے۔

کسی معالج کی ضرورت

اور یہ بُرایاں ایسی ہیں جو انسان کے اخلاق کو تباہ کر دیتی ہیں اور برباد کر دیتی ہیں، اس لئے کسی معالج کی ضرورت ہوتی ہے جو اس بات کو پہچانتا ہو کہ یہ بیماری اس کے اندر ہے یا نہیں؟ اگر ہے تو اس کا علاج کرے۔ اسی کا نام ''تصوف'' اور پیری مریدی ہے اور ''تصوف'' کی اصل حقیقت یہی ہے، چنانچہ قرآن کریم نے فرمایا:

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَكُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِيْنَ۔ (سورة التوبة آیت ١١٩)

اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور تقویٰ اختیار کرو اور تقویٰ اختیار کرنے کا آسان طریقہ یہ ہے کہ جو متقی لوگ ہیں ان کی صحبت اختیار کرو۔ جب تم ان کی صحبت اختیار کرو گے تو ان کا رنگ ڈھنگ تمہارے اندر منتقل ہوگا، ان کا مزاج تمہاری طرف منتقل ہوگا اور جب تمہارے اندر کوئی بیماری پیدا ہوگی تو وہ پہچان لیں گے اور پہچان لینے کے بعد وہ تمہاری بیماری کا علاج کریں گے اور تمہاری اصلاح کریں گے۔ اخلاق کو پاکیزہ بنانے اور اپنی اصلاح کرنے کا یہی طریقہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے لے کر آج تک چلا آ رہا ہے۔

اخلاق کو پاکیزہ بنانے کا آسان راستہ

بہرحال! قرآن کریم کے اس حکم کے مطابق کسی اللہ والے سے جو علم صحیح رکھتا ہو اور عقیدہ صحیح رکھتا ہو اور بظاہر متبع سنت ہو اور خود اس نے اپنی

اصلاح کسی بزرگ سے کرائی ہو، اس سے رجوع کرنا اور پھر اس کی بتائی ہوئی ہدایات پر عمل کرنا، اخلاق کو پاکیزہ بنانے کا آسان راستہ ہے۔

یہ سادہ دل بندے کدھر جائیں

آج لوگ یہ اشکال کرتے ہیں کہ ہم اپنی اصلاح کے لئے کس کے پاس جائیں؟ کوئی مصلح نظر ہی نہیں آتا، پہلے زمانے میں بڑے بڑے بزرگ اور بڑے بڑے مشائخ ہوا کرتے تھے، جیسے حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ، حضرت جنید بغدادیؒ، حضرت علامہ شبلی اور حضرت معروف کرخی رحمہم اللہ تعالیٰ، اب یہ حضرات تو موجود نہیں

؎ خداوندا! یہ تیرے سادہ دل بندے کدھر جائیں
کہ درویشی بھی عیاری ہے سلطانی بھی عیاری ہے

لہٰذا جب کوئی مصلح نہیں ہے تو اب ہماری چھٹی، ہم جو چاہیں کریں، کسی کے پاس جانے کی ضرورت ہی کیا ہے۔

مصلح قیامت تک باقی رہیں گے

میرے والد ماجد حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ یہ شیطان کا بہت بڑا دھوکہ ہے۔ پہلی بات یہ ہے کہ جب قرآن کریم نے یہ کہہ دیا کہ اللہ والوں کی صحبت اختیار کرو، تو یہ حکم صرف حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے تک کے لئے نہیں ہے بلکہ یہ حکم قیامت تک

کے لئے ہے، لہٰذا اس آیت میں یہ خوشخبری بھی ہے کہ قیامت تک اللہ والے باقی رہیں گے، صرف تلاش کرنے کی ضرورت ہے۔

ہر چیز میں ملاوٹ

میرے والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ آج کل ملاوٹ کا زمانہ ہے، ہر چیز میں ملاوٹ ہے، گندم میں ملاوٹ، گھی میں ملاوٹ، دودھ میں ملاوٹ، کوئی چیز اصلی نہیں ملتی، لیکن اس ملاوٹ کی وجہ سے کیا ہم نے یہ فیصلہ کرلیا کہ چونکہ فلاں چیز میں ملاوٹ ہے، اس لئے فلاں چیز نہیں کھائیں گے، مثلاً گھی اور تیل میں ملاوٹ ہے، لہٰذا آئندہ گھی اور تیل استعمال نہیں کریں گے بلکہ گریس استعمال کریں گے، ایسا نہیں کرتے، بلکہ ہم اس ملاوٹ کے دور میں بھی تلاش اور جستجو کرتے ہیں کہ کہاں پر گھی اچھا ملتا ہے، کہاں پر تیل اچھا ملتا ہے، پھر وہاں سے حاصل کرکے استعمال کرتے ہیں۔ تو فرمایا کرتے تھے کہ جب ہر چیز میں ملاوٹ ہے تو اللہ والوں میں بھی ملاوٹ ہے، لیکن کوئی جستجو کرنے والا ہو تو اللہ تعالیٰ اس کو صحیح جگہ پر پہنچا دیتے ہیں، آج بھی اصلاح کرنے والے ختم نہیں ہوئے۔

جیسی روح ویسے فرشتے

دوسری بات یہ ہے کہ اگر آپ آج کے دور میں یہ تلاش کریں گے کہ مجھے تو اصلاح کرانے کے لئے جنید بغدادی چاہئیں، مجھے تو شیخ عبدالقادر جیلانی چاہئیں تو یہ حماقت ہے، کیونکہ اصول یہ ہے کہ جیسی روح ویسے فرشتے، جیسے تم

ہو، اسی معیار کے تمہارے مصلح بھی ہوں گے۔ لہٰذا آج پُرانے دور کے معیار کا مصلح تو نہیں ملے گا، لیکن ایسا مصلح ضرور مل جائے گا جو تمہاری اصلاح کے لئے کافی ہو جائے گا، اس لئے کسی اللہ والے کو تلاش کرو اور اس تک پہنچنے کی کوشش کرو اور اپنے حالات کی اصلاح کی فکر کرو، اللہ تعالیٰ انشاء اللہ ضرور مدد فرمائیں گے۔

خلاصہ

خلاصہ یہ نکلا کہ قرآن کریم نے اس آیت میں ہمیں اخلاق کو پاکیزہ بنانے کا حکم دیا ہے۔ اخلاق سے مراد ہے باطن کے اعمال اور ان کو پاکیزہ بنانے کا بہترین اور آسان راستہ اللہ والوں کی صحبت اختیار کرنا ہے، لہٰذا اللہ والوں کو تلاش کرو اور ان کی صحبت اختیار کرو اور اپنی اصلاح ان سے کرانے کی کوشش کرو، پھر اللہ تعالیٰ مدد فرمائیں گے۔ اللہ تعالیٰ مجھے بھی اور آپ کو بھی اس پرعمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے آمین۔

وَآخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

❁❁❁
❁

نکاح
جنسی تسکین کا جائز ذریعہ

شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہم

ضبط و ترتیب
محمد عبداللہ میمن

میمن اسلامک پبلشرز
۱/۱۸۸۔ لیاقت آباد، کراچی ۱۹

مقام خطاب : جامع مسجد بیت المکرم
گلشن اقبال کراچی
وقت خطاب : بعد نماز عصر تا مغرب
اصلاحی خطبات : جلد نمبر، ۱۵

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْم ط

نکاح جنسی تسکین کا جائز ذریعہ

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ نَحْمَدُهٗ وَ نَسْتَعِيْنُهٗ وَ نَسْتَغْفِرُهٗ وَ نُؤْمِنُ بِهٖ وَنَتَوَكَّلُ عَلَيْهِ وَنَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَيِّئَاتِ اَعْمَالِنَا ۔ مَنْ يَّهْدِهِ اللّٰهُ فَلاَ مُضِلَّ لَهٗ وَمَنْ يُّضْلِلْهُ فَلاَ هَادِىَ لَهٗ وَأَشْهَدُ اَنْ لَّا إِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَاشَرِيْكَ لَهٗ وَأَشْهَدُ اَنَّ سَيِّدَنَا وَنَبِيَّنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّداً عَبْدُهٗ وَ رَسُوْلُهٗ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَعَلٰى اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَبَارَكَ وَسَلَّمَ تَسْلِيْمًا كَثِيْرًا ۔

أَمَّا بَعْدُ! فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ ○ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○ قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ ○ الَّذِيْنَ هُمْ فِىْ صَلاَتِهِمْ خٰشِعُوْنَ○ وَالَّذِيْنَ هُمْ عَنِ اللَّغْوِ مُعْرِضُوْنَ○ وَالَّذِيْنَ هُمْ لِلزَّكٰوةِ فٰعِلُوْنَ○ وَالَّذِيْنَ هُمْ لِفُرُوْجِهِمْ حٰفِظُوْنَ ○ اِلَّا عَلٰى اَزْوَاجِهِمْ

اَوْمَامَلَکَتْ اَیْمَانُهُمْ فَاِنَّهُمْ غَیْرُ مَلُوْمِیْنَ ○
فَمَنِ ابْتَغٰی وَرَآءَ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْعٰدُوْنَ ○
(سورۃ المؤمنون: ۱۔۸)

آمنت باللّٰہ صدق اللّٰہ مولانا العظیم وصدق رسولہ النبی الکریم ونحن علی ذلك من الشاھدین والشاکرین والحمدللّٰہ ربّ العٰلمین

تمہید

بزرگانِ محترم و برادران عزیز! یہ سورۃ مؤمنون کی ابتدائی آیات ہیں جو میں نے آپ کے سامنے تلاوت کی ہیں، ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے ان مؤمنوں کی صفات بیان فرمائی ہیں جن کو فلاح نصیب ہوگی۔ دوسرے الفاظ میں یوں کہا جاسکتا ہے کہ ایک مؤمن کی فلاح کا دارومدار ان صفات پر ہے جو ان آیات میں بیان کی گئی ہیں، لہٰذا ہر مومن کو یہ صفات حاصل کرنے کی فکر اور کوشش کرنی چاہئے۔ ان صفات میں سے تین صفات کا بیان پچھلے جمعوں میں متفرق طور پر ہوا ہے، نمبر ایک: نماز میں خشوع اختیار کرنا، نمبر دو: لغو باتوں سے پرہیز کرنا، نمبر تین زکوٰۃ ادا کرنا اور اپنے اخلاق کو درست کرنا۔ ان تین کا بیان الحمدللہ بقدر ضرورت ہو چکا ہے۔

چوتھی صفت

چوتھی صفت قرآن کریم نے یہ بیان فرمائی کہ فلاح یافتہ مؤمن وہ ہیں جو اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کرتے ہیں، سوائے اپنی بیویوں اور سوائے کنیزوں

کے کہ ان کے ذریعہ اگر لوگ اپنی خواہش پوری کریں تو ان پر کوئی ملامت نہیں اور جولوگ ان کے علاوہ کسی اور طریقے سے اپنی جنسی خواہش پوری کرنا چاہیں تو وہ حد سے گزرنے والے ہیں اور اپنی جان پر ظلم کرنے والے ہیں۔ یہ آیات کا ترجمہ تھا۔

جنسی جذبہ فطری ہے

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے ایک بہت اہم مسئلے کی طرف تمام مسلمانوں کو توجہ دلائی ہے، وہ مسئلہ ''انسان کی جنسی خواہش کی تسکین'' کا مسئلہ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ہر انسان کو اس طرح پیدا فرمایا کہ ہر انسان میں ایک جنسی جذبہ موجود ہے اور یہ جنسی جذبہ انسان کی فطرت کے اندر داخل ہے۔ یعنی ہر انسان کو اپنی مخالف سمت یعنی عورت کی طرف رغبت ہوتی ہے اور اس کے ساتھ اپنی جنسی خواہش کی تسکین کا جذبہ اس کے دل میں پیدا ہوتا ہے۔

دو حلال راستے

اللہ تعالیٰ نے اس جذبے پر کوئی پابندی اور قدغن نہیں لگائی، لیکن اس کے لئے دو راستے قرآن کریم نے بیان فرمائے کہ یہ دو راستے تو حلال ہیں اور ان دو کے علاوہ جنسی خواہش پوری کرنے کے سارے راستے حرام ہیں اور ایک مؤمن کے لئے واجب ہے کہ وہ ان سے پرہیز کرے۔ دو حلال راستوں میں سے ایک تو نکاح کا راستہ کہ انسان نکاح کرکے اپنی بیوی کے ذریعہ جنسی خواہش کی تسکین کرے، یہی راستہ اس کے لئے حلال ہے بلکہ باعث اجر و

ثواب بھی ہے۔ دوسرا راستہ یہ ہے کہ کسی زمانے میں کنیزیں ہوا کرتی تھیں جن کو باندی اور لونڈی بھی کہا جاتا ہے، پہلے زمانے میں جنگ کے دوران جو لوگ قیدی ہو جاتے تھے تو ان کے مردوں کو غلام اور عورتوں کو کنیز اور باندی بنالیا جاتا تھا۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم جب دنیا میں تشریف لائے تو ساری دنیا میں یہ طریقہ جاری تھا اور آپ کے بعد بھی صدیوں تک جاری رہا، ان کنیزوں کو اللہ تعالیٰ نے ان کے آقاؤں کے لئے حلال کر دیا تھا، بشرطیکہ وہ کنیز مسلمان ہو یا اہل کتاب میں سے ہو۔ قرآن کریم نے فرمایا کہ جنسی خواہش پوری کرنے کے یہ دو طریقے تو حلال ہیں، ان کے علاوہ انسان جنسی خواہش کی تکمیل کے لئے جو بھی طریقہ اختیار کرے، وہ حرام ہے اور جو ان طریقوں کو اختیار کرے وہ حد سے گزرنے والا ہے اور اپنے نفس پر ظلم کرنے والا ہے۔

اسلام کا اعتدال

اللہ تعالیٰ نے جو دین عطا فرمایا ہے، اس کی ہر چیز میں اعتدال اور توازن کو مدنظر رکھا ہے، ایک طرف انسان کی ایک فطری خواہش ہے اور کوئی انسان اس خواہش سے مستثنیٰ نہیں ہے، کوئی بڑے سے بڑا پیغمبر، بڑے سے بڑا بزرگ، بڑے سے بڑا ولی، اس خواہش سے مستثنیٰ نہیں، ہر ایک کے دل میں یہ خواہش پائی جاتی ہے، کیونکہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے اس انسانی خواہش کو نسل انسانی کی بڑھوتری کا ذریعہ بنایا ہے کہ انسان کی نسل اسی خواہش کے نتیجے میں بڑھتی ہے، لہٰذا یہ خواہش فطری ہے اور جب یہ خواہش فطری ہے تو شریعت نے یہ نہیں کہا کہ یہ جنسی جذبہ خراب ہے، یا گندہ ہے، یا ناپاک ہے، یا حرام ہے،

اس جذبہ کو حرام قرار نہیں دیا، البتہ اس جذبہ کو تسکین دینے کے لئے ایک جائز راستہ مقرر کر دیا، اس جائز راستے سے اس جذبے کی جتنی تسکین چاہو کرو، وہ تمہارے لئے حلال ہے، لیکن اس کے علاوہ جو راستے ہیں، وہ چونکہ دنیا میں فساد پھیلانے والے ہیں، وہ انسان کو انسانیت کے جامے سے نکال دینے والے ہیں، اور حیوانیت کے راستے ہیں، اس لئے شریعت نے ان پر پابندی عائد کر دی ہے، ان کو ناجائز قرار دیا ہے اسلام میں یہ اعتدال اور توازن ہے۔

عیسائیت اور رہبانیت

''عیسائیت'' کو آپ دیکھیں تو یہ نظر آئے گا کہ عیسائی مذہب میں راہبوں اور تارک الدنیا لوگوں کا ایک نظام مشہور ہے جس کو ''رہبانیت'' کہا جاتا ہے، عیسائی راہبوں کا کہنا یہ تھا کہ اگر اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کرنا ہے اور اللہ تعالیٰ کی رضامندی اور خوشنودی حاصل کرنی ہے تو اس کا اس کے علاوہ کوئی راستہ نہیں ہے کہ دنیا کی ساری لذتوں کو چھوڑ دو اور ان کو خیر باد کہدو، جب تک دنیا کی ساری لذتیں نہیں چھوڑ دو گے، اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل نہیں ہوگا لہٰذا اگر کھانا کھانا ہے تو بس بقدر ضرورت روکھا پھیکا اور بدمزہ کھانا کھاؤ، مزے کی خاطر اور لذت کی خاطر کوئی اچھا کھانا مت کھاؤ، اور اگر کھانے میں لذت حاصل کرو گے تو پھر اللہ تعالیٰ نہیں مل سکتے، اسی طرح تمہیں اس جنسی خواہش کو بھی دبانا پڑے گا، اگر جنسی خواہش کی تکمیل کے لئے نکاح کا راستہ اختیار کرو گے تو پھر اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل نہیں ہوگا، اللہ تعالیٰ اس وقت تک راضی نہیں ہوں گے جب تک تم شادی کو نہیں چھوڑ دو گے، بیوی بچوں کو نہیں چھوڑ دو گے اور

دنیا کے سارے کاروبار کو نہیں چھوڑو گے، چنانچہ انہوں نے خانقاہیں بنائیں، ان خانقاہوں میں راہبوں کی کھیپ کی کھیپ آ کر مقیم ہوئی اور ان کا دعویٰ یہ تھا کہ ہم دنیا کو چھوڑ کر آئے ہیں۔

عیسائی راہبہ عورتیں

آپ نے عیسائی ''نَن'' کا نام سنا ہوگا، ''نَن'' وہ عورتیں ہوتی تھیں جوں نے اپنی زندگی خانقاہ کے لئے وقف کر دیتی تھیں اور شادی سے کنارہ کشی اختیار کر لیتی تھیں کہ ساری عمر وہ شادی نہیں کریں گی۔ ایک طرف ''راہب'' مرد ہیں جنہوں نے یہ قسم کھا رکھی ہے کہ وہ شادی نہیں کریں گے اور کیونکہ اگر شادی کریں گے تو اللہ تعالیٰ ناراض ہو جائیں گے، دوسری طرف ''نَن'' خواتین ہیں جنہوں نے قسم کھائی ہے کہ شادی نہیں کریں گی، کیونکہ شادی کرنے سے اللہ تعالیٰ ناراض ہو جائیں گے، اور ان کا کہنا یہ تھا کہ جب تک نفس کو نہیں کچلیں گے اور جب تک خواہشات کو نہیں دبائیں گے، اللہ تعالیٰ اپنا قرب عطا نہیں کریں گے۔ عیسائیت میں یہ نظام جاری تھا۔

یہ فطرت سے بغاوت تھی

لیکن یہ نظام فطرت سے بغاوت کا نظام تھا، جب اللہ تعالیٰ نے انسان کے اندر جنسی جذبہ رکھا ہے اور کوئی انسان اس جذبے سے مستثنیٰ نہیں تو پھر اللہ تعالیٰ یہ کیسے کر سکتے ہیں کہ جذبہ تو رکھ دیں اور اس کی تسکین کا کوئی حلال اور جائز راستہ نہ بتائیں۔ یہ بات اللہ تعالیٰ کی رحمت اور ان کی حکمت سے بعید

ہے۔ چنانچہ فطرت سے بغاوت کا انجام یہ ہوا کہ وہ عیسائی خانقاہیں جن میں راہب مرد اور نن عورتیں رہتی تھیں رفتہ رفتہ یہ خانقاہیں فحاشی کے اڈے بن گئے، اس لئے کہ وہ مرد اور عورتیں انسان اور بشر تھے، ان کے دل میں جنسی خواہش کا جذبہ پیدا ہونا لازم تھا۔ اس جذبے کو پورا کرنے کے لئے شیطان نے ان کو راستے سجھائے۔

شیطان کی پہلی چال

چنانچہ شیطان نے ان کو یہ راستہ سمجھایا کہ اپنے نفس کو جتنا کچلو گے اور جتنا اپنے نفس پر ضبط کرو گے اتنا ہی اللہ تعالیٰ کی خوشنودی حاصل ہوگی، اور جب خواہش بہت زیادہ شدید ہو رہی ہو اس وقت میں اس نفس کو کچلو گے تو اللہ تعالیٰ بہت راضی اور خوش ہوں گے، لہٰذا ایسا کریں کہ راہب مرد اور راہب عورت دونوں ایک کمرے میں رہیں۔ ایک کمرے میں رہنے کے نتیجے میں خواہش زیادہ ابھرے گی، اور اس کو زیادہ سختی سے دبانا پڑے گا، اور زیادہ سختی سے دبائیں گے تو اللہ تعالیٰ اور زیادہ راضی ہوں گے، چنانچہ مرد و عورتیں ایک کمرے میں رہنا شروع ہو گئے۔

شیطان کی دوسری چال

اس کے بعد شیطان نے یہ بجھایا کہ ابھی اور زیادہ نفس کو کچلنے کی ضرورت ہے لہٰذا راہب مرد اور راہب عورت ایک چار پائی پر سوئیں، اس کے نتیجے میں جب خواہش زیادہ پیدا ہوں تو ان کو دبائیں اور کچلیں تو اللہ تعالیٰ اس

سے اور زیادہ خوش اور راضی ہوں گے۔ چنانچہ جب ایک ساتھ چارپائی پر سوئے تو نتیجے ظاہر ہے اس کے نتیجے میں بالآخر یہ ساری خانقاہیں فحاشی کے اڈے بن گئے، عام زندگی میں اتنی بدکاری نہیں تھی جتنی بدکاری ان راہبوں کی خانقاہوں میں پیدا ہوئی۔ یہ سب فطرت سے بغاوت کا نتیجہ تھا۔

نکاح کرنا آسان کردیا

اللہ تبارک وتعالیٰ نے ہمیں اور آپ کو جو دین عطا فرمایا اس میں اس انسانی فطرت کی رعایت رکھی گئی ہے۔ چونکہ یہ جنسی خواہش انسان کی فطرت کا ایک جذبہ ہے لہٰذا اس تسکین کا ایک حلال راستہ ہونا چاہئے۔ اور وہ حلال راستہ ''نکاح'' ہے، پھر اس نکاح کو شریعت نے اتنا آسان کردیا کہ اس میں کوئی پائی پیسے کا خرچ نہیں ہے، کسی تقریب کی ضرورت نہیں ہے، یہاں تک کہ مسجد جانا اور کسی سے نکاح پڑھوانا بھی شرط نہیں ہے۔ بلکہ نکاح کے لئے بس اتنی شرط ہے کہ میاں بیوی اور دو گواہ مجلس کے اندر موجود ہوں، اور اس مجلس میں دو گواہوں کے سامنے لڑکا یہ کہہ دے کہ میں نے تم سے نکاح کیا اور لڑکی جواب میں یہ کہے کہ میں نے قبول کیا یا لڑکی یہ کہے کہ میں نے تم سے نکاح کیا اور لڑکا جواب میں یہ کہے کہ میں نے قبول کیا، بس نکاح ہوگیا۔

عیسائی مذہب میں نکاح کی مشکلات

جبکہ عیسائیوں کے یہاں ''کلیسا'' کے باہر نکاح کرنا ممکن نہیں، لہٰذا اگر دو مرد عورت دو گواہوں کی موجودگی میں ایجاب وقبول کرلیں تو عیسائی مذہب

میں وہ نکاح نہیں ہوگا، بلکہ عیسائی مذہب میں نکاح اس وقت منعقد ہوگا جب مرد وعورت کلیسا میں جائیں اور وہاں کے پادری کی خوشامد کریں اور اس پادری کو فیس ادا کریں، وہ پادری اپنی فیس وصول کرنے کے بعد نکاح پڑھنے کے لئے خاص وقت مقرر کرے گا اس وقت میں جب پادری نکاح پڑھائے گا تب نکاح منعقد ہوگا ورنہ نکاح نہیں ہوسکتا۔ شریعت اسلام نے ایسی کوئی پابندی نہیں لگائی کہ نکاح کسی اور سے پڑھوایا جائے بلکہ دو مرد وعورت دو گواہوں کے سامنے ایجاب وقبول کرلیں اور مہر مقرر کرلیں بس نکاح منعقد ہوگیا۔

خطبہ واجب نہیں

البتہ سنت یہ ہے کہ نکاح سے پہلے خطبہ پڑھ لیا جائے اگر شوہر پڑھ سکتا ہے تو وہ خود خطبہ پڑھ لے، کسی کو بلانے کی ضرورت نہیں، لیکن عام طور پر شوہر کو خطبہ نہیں آتا اس لئے قاضی صاحب کو بلاکر خطبہ پڑھوایا جاتا ہے اور اس کے ذریعہ ایجاب وقبول کرایا جاتا ہے، تاکہ سنت کے مطابق نکاح ہو جائے، ورنہ اسلام میں نہ خطبہ پڑھنا شرط ہے نہ مسجد میں جانا شرط ہے، نہ کسی قاضی سے نکاح پڑھوانا شرط ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس نکاح کو اتنا آسان کردیا تاکہ انسان کی فطری خواہش غلط راستے تلاش نہ کرے اور جب فطری خواہش پیدا ہو تو انسان کے پاس اس خواہش کو پورا کرنے کے لئے حلال راستہ موجود ہو۔

شادی کو عذاب بنالیا

آج ہم نے نکاح کو معاشرے میں ایک طومار بنالیا ہے، شادی کو ایک عذاب بنالیا ہے، آج کوئی شخص اس وقت تک شادی نہیں کرسکتا جب تک اس

کے پاس ہزاروں لاکھوں روپے موجود نہ ہوں، کیونکہ اس کو تقریب کے لئے پیسے چاہئیں، مہندی کی رسم کے لئے پیسے چاہئیں، منگنی کی رسم کے لئے پیسے چاہئیں اوران تمام کاموں میں اتنے آدمی بلانا ضروری ہے اور شادی کے لئے اتنا زیور چاہئے اتنے کپڑے چاہئیں، ولیمہ کی دعوت ہونی چاہئے، اس طرح نکاح میں رسم و رواج نے ہزار طور مار بنا دیئے ہیں، جس نے نکاح کو ایک عذاب بنادیا ہے، جبکہ شریعت میں اس طرح کی کوئی پابندی نہیں۔

حضرت عبدالرحمٰن بن عوف اور شادی

حدیث شریف میں آتا ہے کہ ایک مشہور صحابی حضرت عبدالرحمٰنؓ بن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہ جو عشرہ مبشرہ میں سے ہیں، اور سابقین اولین جو بالکل ابتداء اسلام میں ہی اسلام لے آئے یہ ان میں سے ہیں۔ اور ان دس خوش نصیب لوگوں میں سے ہیں جن کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ خوشخبری سنائی کہ یہ جنت میں جائیں گے۔ یہ ہجرت کے بعد مدینہ منورہ آگئے ایک دن یہ مسجد نبوی میں نماز پڑھنے کے لئے آئے اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات ہوئی تو آپ نے دیکھا کہ ان کے کپڑوں پر زرد رنگ کی خوشبو لگی ہوئی ہے، حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے پوچھا کہ یہ تمہارے کپڑے یہ زرد رنگ کیسے لگا ہوا ہے؟ انہوں نے کہا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! میں نے ایک خاتون سے نکاح کیا ہے، اس نکاح کے وقت خوشبو لگائی تھی۔ یہ اس خوشبو کا نشان ہے۔ اب دیکھئے کہ نکاح کرلیا اور اس نکاح کی تقریب میں حضور

اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو بلایا تک نہیں اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی ان سے کوئی شکایت نہیں کی کہ واہ بھائی! تم نے اکیلے اکیلے نکاح کرلیا، ہمیں بلایا بھی نہیں، کیوں؟ اس لئے کہ یہ ساری شرطیں اور قیدیں جو ہم نے لگا رکھی ہیں کہ جب تک ہزار آدمی نہ بلائے جائیں جب تک شامیانہ نہ لگایا جائے جب تک ہال بک نہ کرایا جائے اس وقت تک شادی نہیں ہوگی، اسلام میں اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں ان چیزوں کا تصور نہیں تھا، تاکہ نکاح کو اتنا آسان کر دیا جائے کہ انسان جنسی خواہش کی تسکین کے لئے غلط راستے تلاش نہ کرے۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ اور نکاح

ایک اور انصاری صحابی حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ جو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے بے حد چہیتے صحابی اور لاڈلے صحابی تھے۔ انہوں نے ایک مرتبہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے برسبیل تذکرہ ذکر کر دیا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! میں نے نکاح کرلیا ہے، آپ ﷺ نے پوچھا کہ تم نے کسی کنواری سے نکاح کیا یا بیوہ سے نکاح کیا ہے؟ انہوں نے کہا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! میری چھوٹی چھوٹی ۶ بہنیں ہیں۔ ان کو ایسی عورت کی ضرورت تھی جو سمجھدار ہو، اور ان کی تربیت بھی کرسکے اب اگر میں کسی کنواری سے نکاح کرتا تو وہ ان کی پوری دیکھ بھال نہ کرسکتی، اس لئے میں نے ایک بیوہ سے نکاح کیا ہے، حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو دعا دی کہ اللہ تعالیٰ تمہارے نکاح میں برکت دے۔

یہاں بھی نہ تو حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو بلایا، اور نہ ہی حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ شکایت کی کہ تم نے اکیلے اکیلے نکاح کرلیا اور ہمیں نہیں پوچھا۔ نکاح کے بارے میں اسلام کا یہ مزاج تھا جو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں بتایا۔ آج نے ہندوؤں اور غیر مسلموں کے ساتھ رہنے کے نتیجے میں اپنے نکاح اور شادی میں اتنی رسمیں بڑھالی ہیں کہ وہ نکاح ایک عذاب بن کر رہ گیا ہے اور ایک عام آدمی کے لئے نکاح کرنا بڑا مشکل ہوگیا ہے۔ بہرحال! شریعت نے نکاح کا راستہ آسان کر دیا کہ اس طرح نکاح کرلو اور اس نکاح کے ذریعے اپنی جنسی خواہش جائز ذریعہ سے پوری کرلو۔ اسلام نے رہبانیت کی دعوت نہیں دی کہ تم نکاح کو بالکل چھوڑ دو۔

جائز تعلقات پر اجر وثواب

پھر نہ صرف یہ کہ نکاح کی اجازت دی بلکہ یہ بھی فرمایا کہ میاں بیوی کے درمیان جو باہمی تعلقات ہوتے ہیں وہ نہ صرف جائز ہیں بلکہ وہ تعلقات ثواب کا ذریعہ ہیں۔ ایک مرتبہ ایک صحابی نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! ہم اپنی بیوی کے ساتھ جو ازدواجی تعلق قائم کرتے ہیں وہ تو ہم اپنی ذاتی لذت حاصل کرنے کی خاطر کرتے ہیں۔ اس میں ثواب کیوں دیا جاتا ہے؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر تم یہ لذت حرام طریقے سے حاصل کرتے تو گناہ ہوتا یا نہیں؟ صحابہ کرامؓ نے فرمایا کہ بیشک گناہ ہوتا، آپ نے فرمایا کہ جب تم حرام طریقے کو چھوڑ دیا اور اللہ

تعالیٰ کے حکم پر حلال طریقہ اختیار کر رہے ہو، تو اللہ تعالیٰ تمہیں اس حلال طریقے پر ثواب عطا فرماتے ہیں، اور یہ عمل تمہارے لئے اجر کا سبب بنتا ہے۔

نکاح میں تاخیر مت کرو

اور پھر اس حلال طریقے میں اللہ تعالیٰ نے اتنی آزادی دیدی کہ میاں بیوی پر اس بارے میں اوقات کی کوئی پابندی نہیں، مقدار کی اور عدد کی کوئی پابندی نہیں اور طریقوں کی بھی کوئی خاص پابندی نہیں، اس طرح سے اس میں آزادی دیدی تاکہ انسان ناجائز راستے تلاش نہ کرے۔ اسی لئے حدیث شریف میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اگر تمہارے پاس تمہاری لڑکی کا رشتہ آئے اور ایسے لڑکا کا رشتہ آئے جو تمہیں پسند ہو، تمہیں ظاہری اعتبار سے بھی اور دین کے اعتبار سے بھی اچھا لگتا ہو، اور تمہارا کفو بھی لگتا ہو تو اس رشتے کو قبول کرلو اور پھر فرمایا کہ اگر تم ایسا نہیں کرو گے تو زمین میں بڑا فتنہ اور فساد پھیلے گا۔ چنانچہ وہ فتنہ اس طرح پھیل رہا ہے کہ گھر میں لڑکیاں رشتوں کے انتظار میں بیٹھی ہوئی ہیں اور رشتے بھی موجود ہیں، لیکن جہیز کا انتظار ہے اور اس بات کا انتظار ہے کہ باپ کے پاس لاکھوں روپے آجائیں تو پھر وہ اپنی بیٹی کی شادی کر کے ان کو رخصت کرے۔ لیکن وہ لڑکیاں بھی تو انسان ہیں، ان کے دلوں میں بھی جذبات ہیں، ان کے دلوں میں بھی خواہشات ہیں۔ جب وہ خواہشات جائز طریقے سے پوری نہیں ہوں گی تو شیطان ان کو ناجائز طریقے کی طرف لے جائے گا، اور اس سے فتنہ وفساد پھیلے گا۔ معاشرے کے اندر آج دیکھ لیجئے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس

ارشاد سے روگردانی کے نتیجے میں کیسا فتنہ اور فساد پھیلا ہوا ہے۔

ان کے علاوہ سب حرام راستے ہیں

بہرحال! شریعت نے ایک طرف اس خواہش کی تسکین کا جائز طریقہ بتادیا اور دوسری طرف یہ کہہ دیا کہ اس کے علاوہ جو راستے ہیں وہ انسان کو تباہی کی طرف لے جانے والے ہیں۔ بربادی کی طرف لے جانے والے ہیں ان سے بچو اور جو لوگ ان راستوں کی طرف جائیں گے وہ لوگ اپنی حد سے گزرنے والے ہیں اور عذاب کو دعوت دینے والے ہیں۔ اسی لئے قرآن کریم نے فرمایا کہ جو لوگ اپنی شرم گاہوں کی حفاظت کریں یعنی عفت وعصمت کی زندگی گزاریں اور جنسی خواہش کو پورا کرنے کے جو حلال طریقے ہیں صرف ان پر اکتفا کریں ان پر عمل کئے بغیر ان کو نہ دنیا میں فلاح حاصل ہوسکتی ہے اور نہ آخرت میں فلاح حاصل ہوسکتی ہے۔

اختتام

اب دیکھنا یہ ہے کہ اس عفت اور عصمت کو حاصل کرنے کا کیا طریقہ ہے؟ اور اس کے لئے قرآن وسنت نے کیا تفصیلی احکام عطا فرمائے ہیں، یہ ایک مستقل موضوع ہے، اب وقت ختم ہوچکا ہے انشاء اللہ اگر زندگی رہی تو اگلے جمعہ کو اس کی تفصیل عرض کروں گا، اللہ تعالیٰ ہم سب کو اپنے فضل وکرم سے عفت وعصمت کی دولت عطا فرمائے، اپنی رضا کے مطابق زندگی گزارنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

وَآخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

آنکھوں کی حفاظت کریں

شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہم

ضبط و ترتیب
محمد عبداللہ میمن

میمن اسلامک پبلشرز
۱۸۸/۱۔ لیاقت آباد، کراچی ۱۹

مقام خطاب : جامع مسجد بیت المکرّم
گلشن اقبال کراچی
وقت خطاب : بعد نماز عصر تا مغرب
اصلاحی خطبات : جلد نمبر: ۱۵

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْم ط

آنکھوں کی حفاظت کریں

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ نَحْمَدُهٗ وَ نَسْتَعِيْنُهٗ وَ نَسْتَغْفِرُهٗ وَ نُؤْمِنُ بِهٖ وَنَتَوَكَّلُ عَلَيْهِ وَنَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَيِّاٰتِ اَعْمَالِنَا ـ مَنْ يَّهْدِهِ اللّٰهُ فَلاَ مُضِلَّ لَهٗ وَمَنْ يُّضْلِلْهُ فَلاَ هَادِىَ لَهٗ وَأَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لاَشَرِيْكَ لَهٗ وَأَشْهَدُ اَنَّ سَيِّدَنَا وَنَبِيَّنَا وَمَوْلاَنَا مُحَمَّداً عَبْدُهٗ وَ رَسُوْلُهٗ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَعَلٰى اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَبَارَكَ وَسَلَّمَ تَسْلِيْمًا كَثِيْرًا ـ

أَمَّا بَعْدُ! فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ ○ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○ قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ ○ الَّذِيْنَ هُمْ فِىْ صَلاَتِهِمْ خٰشِعُوْنَ○ وَالَّذِيْنَ هُمْ عَنِ اللَّغْوِ مُعْرِضُوْنَ○ وَالَّذِيْنَ هُمْ لِلزَّكٰوةِ فٰعِلُوْنَ○ وَالَّذِيْنَ هُمْ

لِفُرُوْجِهِمْ حٰفِظُوْنَ ○ اِلَّا عَلٰى اَزْوَاجِهِمْ
اَوْمَامَلَكَتْ اَيْمَانُهُمْ فَاِنَّهُمْ غَيْرُ مَلُوْمِيْنَ ○
فَمَنِ ابْتَغٰى وَرَآءَ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْعٰدُوْنَ ○
(سورۃ المؤمنون: ۱۔۸)

آمنت باللّٰہ صدق اللّٰہ مولانا العظیم وصدق
رسولہ النبی الکریم ونحن علی ذٰلک من
الشاھدین والشاکرین والحمدللّٰہ ربّ العٰلمین

تمہید

بزرگانِ محترم و برادران عزیز! گزشتہ کئی جمعوں سے فلاح یافتہ مومنوں کی صفات کا بیان چل رہا ہے، تین صفات کا بیان تفصیل سے ہو چکا۔ چوتھی صفت قرآن کریم نے یہ بیان فرمائی کہ فلاح یافتہ مؤمن وہ ہیں جو اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کرتے ہیں سوائے اپنی بیویوں اور کنیزوں کے کہ ان کے ذریعہ جو شخص اپنی جنسی خواہش پوری کرے تو ان پر کوئی ملامت نہیں۔ اور جو شخص ان کے علاوہ کسی اور طریقے سے اپنی جنسی خواہش پوری کرنا چاہے تو وہ حد سے گزرنے والے ہیں۔ اور اپنی جان پر ظلم کرنے والے ہیں، پچھلے جمعہ کو عرض کیا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں ایسا دین دیا ہے جس میں ہماری ہر جائز خواہش کو تسکین دینے کا صاف ستھرا پاک راستہ موجود ہے۔ انسان کا جنسی جذبہ انسان کی فطرت میں داخل ہے، اس جذبہ پر اللہ تعالیٰ نے کوئی قدغن کوئی پابندی عائد نہیں فرمائی، لیکن یہ بتا دیا کہ اس جنسی جذبہ کی تسکین کا جائز راستہ

نکاح ہے۔ اب اگر انسان اس راستے سے اس جذبہ کی تسکین کرے تو یہ نہ صرف یہ کہ جائز ہے۔ بلکہ باعث اجر وثواب ہے، لیکن اگر اس کے علاوہ کوئی اور راستہ تلاش کرے اور نکاح سے ہٹ کر بغیر نکاح کے اپنی جنسی خواہش کی تسکین کرنا چاہے تو یہ حد سے تجاوز ہے۔ فساد کا راستہ ہے۔ فتنہ کا راستہ ہے اور یہ انسان کو تباہی کی طرف لے جانے والا ہے۔

یہ مغربی تہذیب ہے

جن جن معاشروں میں نکاح سے ہٹ کر بغیر نکاح کے جنسی خواہش کی تسکین کا دروازہ کھولا گیا، وہ اخلاقی اعتبار سے اور معاشرتی اعتبار سے تباہی کا شکار ہوئے، آج مغربی دنیا یورپ اور امریکہ کی تہذیب کا دنیا میں ڈنکا بجا ہوا ہے، لیکن انہوں نے جنسی خواہش کی تسکین کے لئے نکاح کے علاوہ دوسرے راستے اختیار کرنے کی کوشش کی تو اس جنسی خواہش نے ان کو کتوں اور گدھوں اور بلیوں کی صفت میں شامل کر دیا۔ بعض معاشرے ایسے ہیں جن کے ریکارڈ پر یہ بات موجود ہے کہ یہاں کی ستر اسّی فیصد آبادی حرام کی اولاد ہیں اور خاندانی نظام تباہ ہو چکا ہے۔ فیملی سسٹم کا ستیاناس ہو گیا۔ باپ بیٹے، ماں، بیٹی، بھائی، بہن کے تصورات ختم ہوتے جا رہے ہیں۔ آج مغربی دنیا کے مفکرین چیخ رہے ہیں کہ ہم نے اس جہت سے اپنے آپ کو تباہی کے کنارے پر پہنچا دیا ہے یہ اس لئے کہ قرآن کریم نے جو راستہ بتایا تھا کہ نکاح کے ذریعہ جنسی خواہش کی تسکین کرو، اس کو چھوڑ کر دوسرے راستے اختیار کر لئے۔

یہ جذبہ کسی حد پر رکنے والا نہیں

اللہ تعالیٰ نے ایسا نظام بنایا ہے کہ اگر یہ جنس خواہش کا جذبہ جائز حدود کے اندر ہے تو یہ جذبہ بقاء نوع انسانی کا جذبہ بنتا ہے اور انسان کو بہت سے فوائد پہنچاتا ہے، لیکن جس وقت یہ جذبہ جائز حدود سے آگے بڑھ جاتا ہے تو یہ جذبہ ایک نہ مٹنے والی بھوک اور نہ مٹنے والی پیاس میں تبدیل ہو جاتا ہے، اگر کوئی انسان ناجائز طریقے سے اپنی خواہش کو پوری کرتا ہے تو اس کا لازمی نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ وہ پھر کسی حد پر نہیں رکتا، کسی حد پر اسکو قرار اور چین نہیں آتا، وہ اور آگے بڑھتا چلا جاتا ہے اور کبھی اس کی پیاس اور بھوک نہیں مٹتی، جیسے جو شخص استسقاء کا مریض ہوتا ہے وہ ہزار مرتبہ بھی پانی پی لے، اور مٹکے کے مٹکے اپنے پیٹ میں داخل کر لے پھر بھی اس کی پیاس نہیں بجھتی یہی صورت حال اس وقت ہوتی ہے جب جنسی جذبہ اپنی معقول حدود سے تجاوز کر جائے، وہ جذبہ پھر کسی حد پر رکتا نہیں ہے۔

پھر بھی تسکین نہیں ہوتی

آج مغربی دنیا میں یہی صورت حال ہو رہی ہے۔ ایک طریقے سے جنسی خواہش کی تسکین شروع کی۔ لیکن پوری تکمیل نہ ہو سکی، پھر اور آگے بڑھے پھر بھی پوری تسکین نہ ہوئی اور پھر اور آگے بڑھے پھر بھی تسکین مکمل نہ ہوئی یہاں تک کہ اب صورت حال یہ ہے کہ مغربی دنیا میں ایسے بے شمار واقعات سامنے آ رہے ہیں کہ اب بعض لوگوں کو جنسی خواہش کی تسکین اس وقت تک

نہیں ہوتی جب تک وہ کسی خاتون کے ساتھ جنسی خواہش بھی پوری کرنے کے بعد اس کو قتل بھی کریں۔

حد سے گزرنے کا نتیجہ

مغربی دنیا کا یہ عجیب منظر ہے کہ جہاں ان کے معاشرے نے عورت کو اتنا سستا کر دیا کہ قدم قدم پر عورت سے تسکین حاصل کرنے کے دروازے چوپٹ کھلے ہوئے ہیں، کوئی قدغن اور کوئی پابندی ان پر نہیں، لیکن جن ملکوں میں عورت اتنی سستی ہے انہی ملکوں میں زنا بالجبر کے واقعات ساری دنیا سے زیادہ ہیں وجہ اس کی یہ ہے کہ رضامندی کے ساتھ جنسی خواہش کی تسکین کر لینے کے بعد بھی نفس کو قرار نہیں آیا، اب یہ خیال آیا کہ زبردستی کرنے میں زیادہ لذت ہے اور پھر زبردستی کی انتہاء حد یہ ہے کہ جس عورت سے جنسی تسکین حاصل کی جارہی ہے اس کو اسی وقت میں قتل کرنا بھی جنسی تسکین کا ایک حصہ بن گیا ہے۔ آج اس معاشرے میں ایسے واقعات بھرے پڑے ہیں کہ اب فکر رکھنے والے یہ سوچ رہے ہیں کہ ہم نے اپنے معاشرے کو کس تباہی کے دھانے پر پہنچا دیا ہے۔ قرآن کریم کا کہنا یہ ہے کہ جو لوگ اس نکاح کے بندھن سے ہٹ کر جنسی خواہش کی تسکین کا راستہ تلاش کرنا چاہتے ہیں۔ وہ حد سے گزرنے والے ہیں اور حد سے گزرنے کے بعد بھی ان کو کسی حد پر قرار نہیں آئے گا۔ اللہ تعالیٰ فرمارہے ہیں کہ ہم نے نکاح کے ذریعہ ہم نے تمہارے لئے ایک جائز راستہ پیدا کر دیا، اس جائز راستے کی فضیلت رکھدی کہ اگر انسان اپنی بیوی کے ساتھ اپنے جنسی جذبے کی تسکین کرے تو یہ نہ صرف جائز

ہے بلکہ اس پر اجر وثواب بھی ملتا ہے۔ باقی سب راستے حرام کر دیئے۔

پہلا بند: نظر کی حفاظت

اب حرام راستوں اور طریقوں سے بچنے کے لئے اللہ تعالیٰ نے ایسے پہرے بٹھا دیئے ہیں کہ اگر ان پہروں کا لحاظ رکھا جائے تو انسان کبھی بھی جنسی گمراہی میں مبتلا نہیں ہوسکتا، ان میں سے سب سے پہلے اپنی نظر کی حفاظت کا حکم دیا۔ رسول کریم اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: **النظر سھم من سھام ابلیس** ۔ یعنی انسان کی نظر شیطان کے تیروں میں سے ایک تیر ہے۔ یعنی شیطان انسان کو اس نگاہ کے ذریعہ غلط راستے پر ڈالتا ہے۔ اور اس نظر کو غلط جگہ پر ڈلوانا چاہتا ہے اور اس کے نتیجے میں انسان کے دل میں فاسد خیالات پیدا ہوتے ہیں۔ اس کے دل میں فاسد جذبات ابھرتے ہیں اور اس کے نتیجے میں بالآخر انسان کو عملی گمراہی کی طرف لے جاتا ہے۔

نگاہیں نیچے رکھیں

قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

قُلْ لِلْمُؤْمِنِيْنَ يَغُضُّوْا مِنْ اَبْصَارِهِمْ وَيَحْفَظُوْا فُرُوْجَهُمْ۔ (سورۃ النور، آیت ۳۰)

آپ مؤمنین سے کہدیں کہ اپنی نگاہوں کو نیچی رکھیں اور اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کریں، گویا کہ یہ بتلا دیا کہ شرمگاہوں کی حفاظت کرنے کا سب سے پہلا طریقہ یہ ہے کہ اپنی نگاہوں کی حفاظت کرو یہ نگاہ غلط جگہ پر نہ پڑے، کسی

نامحرم عورت پر لذت لینے کی غرض سے نگاہ ڈالنا زنا کی پہلی سیڑھی ہے ایک حدیث میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ العینان تزنیان، وزنا هما النظر ۔ یعنی آنکھیں بھی زنا کرتی ہیں اور ان کا زنا دیکھنا ہے آنکھوں سے غیر محرم کو لذت حاصل کرنے کی غرض سے دیکھنا یہ زنا کی پہلی سیڑھی ہے، شریعت نے اس پر پابندی عائد فرمادی ہے۔

آجکل نظر بچانا مشکل ہے

آج کل کے معاشرے میں جہاں چاروں طرف انسان کی نگاہ کو پناہ نہیں ہے، چاروں طرف فتنے پھیلے ہوئے ہیں۔ اس موقع پر یہ حکم دیا گیا ہے کہ نگاہ کو نیچے رکھو اور اپنی نگاہ کا غلط استعمال نہ کرو۔ آج کا نوجوان یہ کہے گا کہ نگاہ کو نیچے رکھ کر اور چاروں طرف سے آنکھیں بند کر کے چلنا بڑا مشکل کام ہے۔ اس لئے کہ کہیں بورڈ پر تصویر نظر آ رہی ہے اور کہیں اخبارات میں تصویریں نظر آ رہی ہیں، کسی رسالے کو دیکھو تو اس میں تصویر موجود، بازار سے کوئی چیز خریدو تو اس پر تصویر موجود بے پردہ عورتیں ہر جگہ باہر چلتی پھرتی نظر آتی ہیں، اس لئے نظریں بچانا تو بڑا مشکل کام ہے۔

یہ آنکھ کتنی بڑی نعمت ہے

لیکن اس مشکل پر قابو پانے کے لئے ذرا اس پر غور کرو کہ یہ آنکھ جو اللہ تبارک وتعالیٰ نے تمہیں عطا فرمائی ہے یہ کیا چیز ہے؟ یہ ایک ایسی مشین اللہ تعالیٰ نے تمہیں عطا فرمائی ہے جو پیدائش سے لیکر مرتے دم تک بغیر کسی پیسے اور

بغیر محنت کے یہ مشین کام کر رہی ہے اور اس طرح کام کر رہی ہے کہ جو چیز چاہو اس کے ذریعہ دیکھ لو جو چاہو لطف اٹھالو، اگر اللہ تعالیٰ تمہین اس مشین کے اندر غور کرنے کی توفیق دے تب پتہ چلے گا کہ اللہ تعالیٰ نے اس چھوٹی سی جگہ میں کیا کارخانہ فٹ کر رکھا ہے، جو آنکھوں کے اسپیشلسٹ ہیں، انہوں نے کالجوں، یونیورسٹیوں اور اسپتالوں میں ساری عمر لگادی، لیکن اب تک یہ دریافت نہیں کر سکے کہ کیا کارخانہ کیا ہے؟ اس کارخانے کے اندر کتنے پردے ہیں؟ کتنی جھلیاں ہیں؟ اللہ تعالیٰ نے اس میں کتنے پردے فٹ کر رکھے ہیں؟ لیکن چونکہ یہ مفت میں مل گئی ہے، اس کے لئے کوئی پائی پیسہ خرچ نہیں کرنا پڑا ہے کوئی محنت نہیں کرنی پڑی۔ اس وجہ سے اس نعمت کی قدر نہیں۔

آنکھوں کی حفاظت کیلئے پیسہ خرچ کرنے پر تیار

جس دن آنکھ کی بینائی پر ذرہ برابر فرق آجائے تو تمہارے جسم میں زلزلہ آجاتا ہے کہ کہیں میری بینائی نہ چلی جائے، اور اگر خدانہ کرے یہ بینائی چلی جائے تو پھر انسان ساری دنیا کی دولت خرچ کرنے کے لئے تیار ہو جاتا ہے کہ چاہے میری دولت چلی جائے، لیکن میری بینائی مجھے واپس مل جائے تاکہ میں اپنی بیوی کو دیکھ سکوں، میں اپنے بچوں کو دیکھ سکوں، میں اپنے ماں باپ کو دیکھ سکوں۔ بینائی جانا تو درکنار بلکہ اگر بینائی میں ذرہ فرق آجائے کہ ٹیڑھا نظر آنے لگے یا آنکھوں کے سامنے ترمرے ناچنے لگیں یا آنکھوں کے سامنے حلقے اور دائرے نظر آنے لگیں تو انسان گھبرا جاتا ہے کہ یہ کیا ہو گیا اور پھر آنکھوں کے اسپیشلسٹ کے پاس بھاگتا ہے اور ہزاروں خرچ کرتا ہے کہ

کسی طرح میری آنکھوں کا یہ نقص دور ہو جائے لیکن ہمیں اور آپ کو یہ دولت ملی ہوئی ہے اور مرتے دم تک کام کرتی ہے نہ اس کی سرس کی ضرورت، نہ اس میں تیل ڈالنے کی ضرورت۔

آنکھ کی پتلی کی عجیب شان

اور اس آنکھ کے اندر اللہ تعالیٰ نے ایک عجیب وغریب نظام بنایا ہے مجھے ایک آنکھوں کے ماہر ڈاکٹر صاحب نے بتایا کہ انسان جب روشنی میں جاتا ہے تو اس کی آنکھ کی پتلی پھیلتی ہے اور جب اندھیرے آتا ہے تو اس آنکھ کی پتلی کے پٹھے سکڑتے ہیں کیونکہ اندھیرے میں صحیح طور پر دیکھنے کے لئے اس کا سکڑنا ضروری ہے اور اس ڈاکٹر نے بتایا کہ اس سکڑنے اور پھیلنے کے عمل میں آنسان کی آنکھ کے پٹھے سات میل کا فاصلہ طے کرتے ہیں اور یہ کام خود بخود ہوتا ہے۔ اگر یہ کام انسان کے سپرد کیا جاتا، اور یہ کہا جاتا کہ جب تم اندھیرے میں جاؤ تو یہ بٹن دبایا کرو اور جب روشنی میں جاؤ تو یہ دوسرا بٹن دبایا کرو، تب تمہاری آنکھیں صحیح کام کریں گی، تو اس کا نتیجہ یہ ہوتا کہ کسی انسان کی سمجھ میں یہ بات آتی اور کسی کی سمجھ میں نہ آتی اور غلط وقت پر بٹن دبا دیتا اور ضرورت سے زیادہ بٹن دبا دیتا تو خدا جانے اس آنکھ کا کیا حشر بناتا۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے ایک آٹومیٹک سسٹم اس آنکھ کے اندر لگا دیا کہ جیسی ضرورت ہو اس کے مطابق اس آنکھ کی پتلی پھیلتی بھی ہے اور سکڑتی ہے۔

آنکھ کی حفاظت کا خدائی انتظام

اور یہ آنکھ اتنی نازک ہے کہ شاید پورے جسم انسانی میں اس سے زیادہ

نازک کوئی چیز نہ ہو۔ آپ کو تجربہ ہوا ہوگا کہ اگر انسان کی آنکھ میں ریت یا مٹی کا معمولی سا ذرہ جس کو دیکھنا بھی مشکل ہو، اگر وہ انسان کی آنکھ میں چلا جائے تو انسان بے تاب ہو جاتا ہے اور درد سے بے چین ہو جاتا ہے۔ اور یہ آنکھ انسان کے چہرے میں بالکل سامنے ہے کہ اگر انسان کے سامنے سے اس پر حملہ ہو یا کسی سے تصادم ہو تو اس کی چوٹ سب سے پہلے انسان کے چہرے پر پڑتی ہے، لیکن آنکھ کی حفاظت کے لئے اللہ تعالیٰ نے دو پہرے دار بٹھا دیئے یہ ماتھے کی ھڈی اور رخسار کی ھڈی، ان دونوں ھڈیوں کے قلع میں انسان کی آنکھ کو رکھ دیا تاکہ اگر چہرے پر کوئی چوٹ پڑے تو ھڈیاں اس کو برداشت کریں اور آنکھ محفوظ رہے۔ اور اللہ تعالیٰ نے پلکوں کے دو پردے آنکھوں کے اوپر ڈال دیئے تاکہ کوئی گرد و غبار اس کے اندر نہ جائے، اگر کوئی مٹی یا گرد و غبار اڑ کر آئے گا تو یہ پلکیں اس کو اپنے اوپر لیلیں گی اور آنکھوں کو بچالیں گی۔ جب انتہاء ہو جائے تب جا کر آنکھ پر چوٹ پڑتی ہے ورنہ آنکھ کی حفاظت کے لئے اللہ تعالیٰ نے یہ خودکار نظام بنادیا ہے۔ ان کے ذریعہ انسان کے چہرے کا حسن بھی ہے اور اس آنکھ کی نعمت کی حفاظت بھی ہے۔

نگاہ پر صرف دو پابندیاں ہیں

یہ سب انتظام اللہ تعالیٰ نے کر رکھا ہے اور اس انتظام کے لئے کوئی پیسہ نہیں مانگا کہ جب تم اتنے پیسے دو گے تو آنکھ ملے گی بلکہ یہ خودکار مشین پیدائش کے وقت سے تمہارے حوالے کر دی ہے۔ صرف اتنا فرمایا کہ یہ سرکاری مشین ہے، اس کو جہاں چاہو، استعمال کرو، صرف چند جگہیں ہیں ان میں اس کو استعمال نہ کرنا، اس آنکھ کے ذریعہ آسمان کو دیکھو، زمین کو دیکھو، اچھے مناظر کو

دیکھو، باغات کو دیکھو، پھلوں کو پھولوں کو دیکھو، دریاؤں اور نہروں کو دیکھو، پہاڑوں اور اچھے مناظر کو دیکھو۔ اپنے ملنے جلنے والوں کو دیکھو، اور ان سے لطف اٹھاؤ۔ صرف دو چیزوں سے بچو، ایک یہ کہ کسی نامحرم عورت پر لذّت لینے کی نیت سے نگاہ مت ڈالو اور کسی انسان کی طرف حقارت کی نظر سے مت دیکھو، بس آپ کے اوپر یہ دو پابندیاں ہیں، باقی سب کچھ دیکھنا تمہارے لئے حلال کر دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی اس سرکاری مشین کو جتنا چاہو استعمال کرو۔

اگر بینائی واپس دیتے وقت شرط لگا دی جائے

اگر پھر بھی انسان کہے کہ یہ کام بڑا مشکل ہے، ساری کائنات کا نظام دکھانے کے لئے اللہ تعالیٰ نے اتنا بڑا انتظام تمہیں دے رکھا ہے، خدا نہ کرے اگر کسی دن تمہاری آنکھ کا پردہ پھٹ جائے، خدا نہ کرے کسی دن تمہاری آنکھ کی بینائی جاتی رہے، اس وقت اگر تم سے یہ کہا جائے کہ یہ بینائی تمہیں واپس تو مل جائے گی لیکن شرط یہ ہے کہ فلاں فلاں چیز نہیں دیکھو، تو جواب میں وہ شخص کہے گا کہ ساری زندگی ان چیزوں کو نہ دیکھنے کا بونڈ لکھوالو، لیکن مجھے بینائی واپس دیدو، تاکہ اس کے ذریعہ میں اپنی بیوی بچوں کو دیکھ سکوں، اپنے بہن بھائیوں کو دیکھ سکوں، میں اپنے گھر کو دیکھ سکوں۔ اس وقت تو بونڈ لکھنے کے لئے تیار ہو جائے گا، اس لئے کہ بینائی جاچکی ہے اور اب کے واپس آنے کا کوئی راستہ نہیں۔ مگر اللہ تعالیٰ نے بوڈ لکھوائے بغیر تمہیں یہ نعمت دے رکھی ہے۔ لیکن یہ نعمت دینے کے بعد اللہ تعالیٰ فرما رہے ہیں کہ جس جگہ یہ بینائی استعمال کرنے

کے لئے دی ہے صرف اس جگہ استعمال کرو۔

نگاہ ڈالنا اجر وثواب کا ذریعہ

اور اگر صرف اس جگہ پر استعمال کرو گے تو اس کے نتیجے میں تمہارے اعمال نامے میں نیکیوں کے ڈھیر لگتے چلے جائیں گے اور آخرت میں اجر و ثواب کے خزانے اکھٹے ہو رہے ہیں۔ چنانچہ حدیث شریف میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر کوئی شخص اپنے ماں باپ کو ایک مرتبہ محبت کی نگاہ سے دیکھے تو ایک نگاہ ڈالنے سے ایک حج اور ایک عمرے کا ثواب ملتا ہے۔ ایک اور حدیث میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ایک شوہر اپنے گھر میں داخل ہوا اور اس نے اپنی بیوی کو محبت کی نگاہ سے دیکھا اور بیوی نے اپنے شوہر کو محبت کی نگاہ سے دیکھا تو اللہ تعالیٰ دونوں کو رحمت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔ اب دیکھئے کہ نگاہ کو صحیح جگہ پر استعمال کیا تو اللہ تعالیٰ نے نیکیوں کے ڈھیر لگا دیئے۔

نظر کی حفاظت کا ایک طریقہ

خدانہ کرے اگر آدمی اس نگاہ کو غلط جگہ پر استعمال کرے اور اس کے ذریعہ نامحرموں کو لذت لینے کی غرض سے دیکھے تو اس نگاہ کے بارے میں فرمایا کہ شیطان کے زہر کے بجھے ہوئے تیروں میں سے ایک تیر ہے۔

آج ہم لوگ یہ کہتے ہیں کہ آج کے دور میں آنکھوں کو بچانا بڑا مشکل ہے اس لئے کہ ڈھونڈنے سے بھی ملتی نہیں آنکھوں کو پناہیں، کہاں جائیں؟ اور

کس طرح بچیں؟ اس سے بچنے کا طریقہ یہ ہے کہ تم یہ تصور کرو کہ آج اگر ہماری بینائی جاتی رہے اور پھر کوئی تم سے یہ کہے کہ تمہاری بینائی واپس مل جائے گی لیکن شرط یہ ہے کہ اس بینائی کو کسی نامحرم کو دیکھنے میں استعمال نہیں کرو گے، اگر یہ پکا وعدہ کرو اور پختہ عہد کرو اور لکھ کر دو تب بینائی واپس ملے گی، ورنہ نہیں ملے گی۔ بتاؤ کیا تم اس وعدہ کرنے اور لکھنے پر تیار ہو جاؤ گے یا نہیں؟ کونسا انسان ہے جو لکھنے اور وعدہ کرنے کے لئے تیار نہ ہوگا اور کون انسان ہوگا جو یہ کہے گا کہ اگر میں نامحرم کو نہیں دیکھ سکتا تو پھر مجھے بینائی نہیں چاہئے۔ کوئی انسان ایسا کہے گا؟ ہرگز نہیں کہے گا۔ اگر تم اس وقت وعدہ کرنے اور لکھ کر دینے کے لئے تیار ہو جاؤ گے تو جس مالک کریم نے وہ بینائی تم سے کوئی معاہدہ کئے بغیر پہلے سے تمہیں دے رکھی ہے اور بعد میں وہ مالک تم سے یہ مطالبہ کر رہا ہے کہ اس نگاہ کو غلط استعمال نہ کرو تو پھر تمہیں کیوں مشکل نظر آتی ہے؟ پھر کیا پریشانی لاحق ہوتی ہے، لہٰذا جب بدنظری کا موقع سامنے آئے تو یہ تصور کرلو کہ اگر میں بدنظری کروں گا تو میری بینائی چلی جائے گی۔

ہمت سے کام لو

حقیقت یہ ہے کہ جب انسان اپنی بینائی کو اللہ تعالیٰ کی نافرمانی میں استعمال کرتا ہے تو حقیقت میں بینائی نہیں ہے، بلکہ وہ تو اندھا پن ہے اور بینائی تو اس کی جا چکی ہے، قرآن کریم میں فرمادیا کہ:

مَنْ کَانَ فِیْ هٰذِهٖۤ اَعْمٰی فَهُوَ فِی الْاٰخِرَةِ اَعْمٰی وَ اَضَلُّ سَبِیْلًا۔ (سورۃ الاسراء، آیت ۷۲)

لہٰذا انسان یہ عہد کرلے کہ میں اس نگاہ کو غلط جگہ پر استعمال نہیں کروں گا، اللہ تعالیٰ نے انسان کی ہمت اور حوصلے میں عہد میں بڑی طاقت رکھی ہے، یہ انسان کی ہمت ربر کی طرح ہے اس کو جتنا چاہو کھینچ لو، جب انسان اس ہمت کو استعمال کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس ہمت میں برکت اور ترقی عطا فرماتے ہیں۔

خلاصہ

بہرحال! اس نگاہ پر دو پابندیاں عائد کی گئی ہیں ایک یہ کہ نامحرم عورت کو لذت کی نگاہ سے دیکھنا، اور دوسرے یہ کہ کسی مسلمان کو حقارت کی نگاہ سے دیکھنا کسی مسلمان پر پر حقارت کی نظر ڈالنا یہ بھی آنکھ کا گناہ ہے۔ ان دونوں گناہوں سے بچنے کا اہتمام کرلیا جائے تو انشاء اللہ زندگی درست ہو جائے گی، اور خیالات و جذبات بھی پاکیزہ ہوں گے اور اللہ تعالیٰ بھی راضی ہو جائیں گے، اور آخرت کی بھی تیاری ہو جائے گی اور اگر یہ طریقہ اختیار کیا کہ اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی مشین کو علی الاطلاق استعمال کر رہے ہیں، اس پر کوئی قید اور کوئی پابندی نہیں لگا رہے ہیں تو یہی آنکھ آپ کو جہنم کے گھڑے میں لے جا کر ڈالے گی اور اللہ تعالیٰ کے عذاب کا مستحق بنا دے گی، اس لئے اس آنکھ کی حفاظت کی ضرورت ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس آنکھ کی حفاظت کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔ مضمون ابھی باقی ہے لیکن وقت ختم ہو چکا ہے زندگی رہی تو اگلے جمعہ میں انشاء اللہ عرض کروں گا۔

وَآخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

✿✿✿

آنکھیں بڑی نعمت ہیں

شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہم

ضبط و ترتیب
محمد عبداللہ میمن

میمن اسلامک پبلشرز
۱۸۸/۱۔ لیاقت آباد، کراچی ۱۹

مقام خطاب : جامع مسجد بیت المکرّم
گلشن اقبال کراچی
وقت خطاب : بعد نماز عصر تا مغرب
اصلاحی خطبات : جلد نمبر ؛ ۱۵

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْم ط

آنکھیں بڑی نعمت ہیں

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ نَحْمَدُہٗ وَ نَسْتَعِیْنُہٗ وَ نَسْتَغْفِرُہٗ وَ نُؤْمِنُ بِہٖ وَنَتَوَکَّلُ عَلَیْہِ وَنَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَیِّئَاتِ اَعْمَالِنَا ۔ مَنْ یَّھْدِہِ اللّٰہُ فَلاَ مُضِلَّ لَہٗ وَمَنْ یُّضْلِلْہُ فَلاَ ھَادِیَ لَہٗ وَأَشْھَدُ اَنْ لَّا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَاشَرِیْکَ لَہٗ وَأَشْھَدُ اَنَّ سَیِّدَنَا وَنَبِیَّنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّداً عَبْدُہٗ وَ رَسُوْلُہٗ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَبَارَکَ وَسَلَّمَ تَسْلِیْمًا کَثِیْرًا ۔

أَمَّا بَعْدُ! فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ ○ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ○ قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ ○ الَّذِیْنَ ھُمْ فِیْ صَلاَتِھِمْ خٰشِعُوْنَ○ وَالَّذِیْنَ ھُمْ عَنِ اللَّغْوِ مُعْرِضُوْنَ○ وَالَّذِیْنَ ھُمْ لِلزَّکٰوۃِ فٰعِلُوْنَ○ وَالَّذِیْنَ ھُمْ

لِفُرُوْجِهِمْ حٰفِظُوْنَ ○ اِلَّا عَلٰٓی اَزْوَاجِهِمْ
اَوْمَامَلَكَتْ اَيْمَانُهُمْ فَاِنَّهُمْ غَيْرُ مَلُوْمِيْنَ ○
فَمَنِ ابْتَغٰی وَرَآءَ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْعٰدُوْنَ ○
(سورۃ المؤمنون: ۱۔۸)

آمنت باللّٰہ صدق اللّٰہ مولانا العظیم وصدق
رسولہ النبی الکریم ونحن علی ذٰلك من
الشاھدین والشاکرین والحمدللّٰہ ربّ العٰلمین

تمہید

بزرگانِ محترم و برادرانِ عزیز! سورۃ مؤمنوں کی پانچویں اور چھٹی آیت کا بیان گزشتہ دو جمعوں سے چل رہا ہے، جس کا حاصل یہ ہے کہ اللہ تبارک و تعالیٰ نے مؤمنوں کی فلاح کے لئے جو صفات بیان فرمائی ہیں ان میں سے ایک صفت یہ ہے کہ:

وَالَّذِيْنَ هُمْ لِفُرُوْجِهِمْ حَافِظُوْنَ۔

جس کا خلاصہ یہ تھا کہ اللہ تعالیٰ نے ہر انسان کی طبیعت میں ایک جنسی جذبہ رکھا ہے اور چونکہ اسلام ایک دین فطرت ہے، لہٰذا اس جنسی جذبے کی تسکین کے لئے اللہ تعالیٰ نے حلال راستہ تجویز فرما دیا، وہ نکاح کا راستہ ہے کہ نکاح کے ذریعہ انسان اپنے اس فطری جذبے کی تکمیل کرے، تو یہ نہ صرف جائز ہے بلکہ موجب اجر وثواب بھی ہے۔ لیکن اس نکاح کے راستے کے علاوہ کوئی اور راستہ اختیار کرنے والے لوگ حد سے گزرنے والے ہیں۔ قرآن کریم نے لفظ تو

بہت مختصر استعمال فرمایا کہ وہ حد سے گزرنے والے ہیں۔ لیکن اس کے مفہوم میں بہت ساری خرابیاں داخل ہو جاتی ہیں۔ چنانچہ جو شخص نکاح کے رشتے کے باہر اپنے جنسی جذبے کی تسکین کرنا چاہے وہ شخص معاشرے کے اندر فساد اور بگاڑ پھیلاتا ہے، یہ اس آیت کے مطلب اور تشریح کا خلاصہ ہے۔

پہلا حکم: نگاہ کی حفاظت

شریعت نے جہاں ناجائز جنسی تسکین کا راستہ بند کیا اور اس کو حرام قرار دیا تو اس کے لئے فضا بھی ایسی سازگار پیدا فرمائی۔ جس میں اس حکم پر عمل کرنا انسان کے لئے آسان ہو جائے، ایک طرف تو اللہ تعالیٰ نے نکاح کے راستے کو آسان سے آسان فرمایا ہے۔ لیکن ہم نے اپنے معاشرے میں طرح طرح کی رسموں اور قیدوں سے اس نکاح کو جکڑ کر اپنے لئے اس کو مشکل بنا دیا ہے۔ دوسری طرف اللہ تعالیٰ نے وہ تمام دروازے بند فرمائے جو انسان کو بدکاری کی طرف لے جانے والے ہیں۔ ان میں سے سب سے پہلا حکم نگاہوں کی حفاظت کا حکم دیا کہ اپنی نگاہ کو پاکیزہ رکھو، اور اس کو غلط جگہ پر استعمال نہ کرو، حدیث شریف میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ:

النظر سهم مسموم من سهام ابليس۔

یہ نظر شیطان کے زہر کے بجھے ہوئے تیروں میں سے ایک تیر ہے۔ بعض اوقات صرف ایک نگاہ انسان کے دل کی حالت کو خراب کر دیتی ہے، اس میں فساد پیدا کر دیتی ہے۔ بعض اوقات ایک غلط نگاہ کے نتیجے میں انسان کی سوچ

انسان کی فکر، اس کے خیالات اس کے جذبات اور بعض اوقات اس کا کردار بھی خراب ہو جاتا ہے اس لئے شریعت نے پہلا پہرہ انسان کی نگاہ پر عائد فرمایا۔

آنکھیں بڑی نعمت ہیں

یہ نگاہ اللہ تعالیٰ کی اتنی بڑی نعمت ہے کہ اگر کوئی انسان بینائی سے محروم ہو تو وہ لاکھوں کروڑوں روپیہ بھی خرچ کر کے بھی یہ نعمت حاصل نہیں کرسکتا، اللہ تعالیٰ نے یہ نعمت ہمیں مفت میں بغیر معاوضے کے عطا فرما رکھی ہے، اس لئے اس نعمت کی قدر نہیں ہوتی اور یہ نعمت پیدائش سے لے کر مرتے دم تک تمہارے ساتھ رہتی ہے یہ نازک اتنی ہے کہ اگر ذرا اس کے اندر کوئی بال آجائے، ذرا خراش لگ جائے تو یہ بیکار ہو جائے، لیکن اتنی نازک مشین پوری زندگی انسان کا ساتھ دیتی ہے اور اس طرح ساتھ دیتی ہے کہ نہ اس کی سروس کی ضرورت ہے نہ اس کو پٹرول اور تیل کی ضرورت ہے بلکہ اللہ تعالیٰ آٹومیٹک نظام کے تحت اس کی سروس بھی کرتے رہتے ہیں اور اس کو غذا بھی پہنچاتے رہتے ہیں چنانچہ جو لقمہ تم اپنی بھوک مٹانے کی خاطر کھاتے ہو اسی لقمہ کے ذریعہ اللہ تعالیٰ جسم کے ہر حصے کو غذا پہنچاتے ہیں اسی طرح آنکھ کو بھی پہنچاتے ہیں۔

آنکھیں بھی زنا کرتی ہیں

یہ آنکھ تمہیں اس لئے دی گئی ہے تاکہ تم اس کے ذریعہ لذت حاصل کرو تاکہ اس کے ذریعہ تم اپنے کام نکالو، اس آنکھ پر صرف چیزوں کو نہ دیکھنے کی پابندی عائد کی گئی ہے کہ ان چیزوں کی طرف مت دیکھنا، وہ یہ کہ کسی نامحرم خاتون کو لذت حاصل کرنے کی غرض سے مت دیکھنا، ایسا کرنے کو گناہ قرار دیا گیا اور فرمایا کہ یہ آنکھوں کا زنا ہے، حدیث شریف میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:

العینان تزنیان و زنا هما النظر۔

یعنی آنکھیں بھی زنا کرتی ہیں اور ان کا زنا دیکھنا ہے۔ لذت کی غرض سے شہوت کی نگاہ سے کسی غیر محرم کو دیکھنا یہ بدنظری ہے، اس کو شریعت میں ناجائز اور حرام قرار دیا گیا ہے۔ اس لئے کہ جب تمہاری نگاہ محفوظ ہوگی تو تمہارے خیالات بھی پاکیزہ ہوں گے، تمہارے جذبات بھی پاکیزہ ہوں گے، اور پھر تمہارے اعمال بھی پاکیزہ ہوں گے۔

شرمگاہ کی حفاظت آنکھ کی حفاظت پر ہے

چنانچہ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے یہ حکم دیا کہ:

قُلْ لِلْمُؤْمِنِیْنَ یَغُضُّوْا مِنْ اَبْصَارِهِمْ وَیَحْفَظُوْا فُرُوْجَهُمْ۔ (سورۃ النور، آیت ۳۰)

اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم! آپ مؤمنوں سے فرما دیں کہ وہ اپنی نگاہیں نیچی رکھیں، اور اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کریں اور یہ تمہارے لئے پاکی حاصل کرنے کا بہترین راستہ ہے اور عورتوں سے کہہ دو کہ وہ اپنی نگاہیں نیچیں رکھیں، اور اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کریں۔ اس کے ذریعے یہ بتا دیا کہ شرمگاہ کی حفاظت کا راستہ یہ ہے کہ اس کا آغاز آنکھ کی حفاظت سے ہو، اور جب آنکھ محفوظ رہے گی تو پھر تمہاری شرمگاہ بھی محفوظ رہے گی اور تم بدکاری سے محفوظ رہو گے۔ یہ حکم کسی مولوی اور ملا کا بیان کردہ حکم نہیں ہے، یہ کسی قدامت پسند، مذہبی، دہشت گرد کا حکم نہیں ہے، بلکہ یہ اللہ تعالیٰ کا حکم ہے جو قرآن کریم کے اندر بیان فرمایا ہے۔

قلعے کا محاصرہ کرنا

جب تک مسلمانوں نے اس حکم پر عمل کیا، اللہ تعالیٰ نے ان کو ان فتنوں اور فسادات سے محفوظ رکھا، میں نے اپنے والد ماجد حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے یہ واقعہ سنا تھا جو ایک تاریخی واقعہ ہے کہ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عہد مبارک میں حضرت عبیدۃ بن جرّاح رضی اللہ تعالیٰ عنہ جو عشرہ مبشرہ میں سے ہیں اور بڑے درجے کے صحابہ میں سے ہیں، اور شام کے فاتح ہیں، اس لئے کہ شام کے بہت سے علاقوں کی فتح کا سہرا اللہ تعالیٰ نے ان کے سر رکھا بعد میں وہ شام کے گورنر رہے۔ ان کا واقعہ ہے کہ ایک مرتبہ انہوں نے غیر مسلموں کے قلعے پر حملہ کیا، اور اس قلعے کا محاصرہ کرلیا،

محاصرہ لمبا ہوگیا اور قلعہ فتح نہیں ہو رہا تھا، یہاں تک کہ جب قلعہ کے لوگوں نے یہ دیکھا کہ مسلمان بڑی ثابت قدمی سے محاصرہ کئے ہوئے ہیں تو انہوں نے ایک سازش تیار کی، وہ یہ کہ ہم مسلمانوں سے یہ کہتے ہیں کہ ہم قلعے کا دروازہ آپ کے لئے کھول رہے ہیں، آپ اپنی فوج کو لے کر شہر میں داخل ہو جائیں۔ اور یہ سازش کی کہ شہر کا دروازہ جس طرف کھلتا تھا اس طرف بہت لمبا بازار تھا۔ جس کے دونوں طرف دکانیں تھیں اور وہ بازار شاہی محل پر جا کر ختم ہوتا تھا ان لوگوں نے بازار کے دونوں طرف عورتوں کو مزین کر کے اور آراستہ کر کے ہر دکان پر ایک ایک عورت کو بٹھا دیا، اور ان عورتوں کو یہ تاکید کر دی کہ اگر یہ مجاہدین داخل ہونے کے بعد تمہیں چھیڑنا چاہیں اور تمہارے ساتھ کوئی معاملہ کرنا چاہیں تو تم انکار مت کرنا، رکاوٹ مت ڈالنا، ان کے پیش نظر یہ تھا کہ یہ لوگ حجاز کے رہنے والے ہیں مہینوں سے اپنے گھروں سے دور ہیں، جب اندر داخل ہونے کے بعد اچانک ان کو خوبصورت اور آراستہ عورتیں نظر آئیں گی تو یہ لوگ ان کی طرف مائل ہوں گے، اور جب یہ ان کے ساتھ مشغول ہوں گے، اس وقت ہم پیچھے سے ان پر حملہ کر دیں گے۔

مؤمن کی فراست سے بچو

منصوبہ بنا کر قلعے کے والی نے حضرت عبیدہ بن جراح رضی اللہ تعالیٰ کو یہ پیغام بھیجا کہ ہم ہار مان گئے ہیں اور اب ہم قلعے کا دروازہ آپ کے لئے کھول رہے ہیں آپ اپنی فوج کو لے کر قلعے کے اندر داخل ہو جائیں۔ جب

حضرت عبیدہ بن جراح رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو یہ پیغام ملا۔ جب اللہ تعالیٰ ایمان عطا فرماتے ہیں تو فراست ایمانی بھی عطا فرماتے ہیں، حدیث شریف میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اتّقوا فراسة المؤمن فانه ینظر بنور اللّٰهِ۔

یعنی مؤمن کی فراست سے بچو، کیوں وہ اللہ تعالیٰ کے نور سے دیکھتا ہے۔ جب یہ پیغام ملا تو حضرت عبیدہ بن جراح رضی اللہ تعالیٰ کا ماتھا ٹھنک گیا کہ اب تک یہ لوگ مقابلے کے لئے تیار تھے اور دروازہ نہیں کھول رہے تھے، اور اب اچانک یہ کیا بات ہوئی کہ انہوں نے دروازہ کھولنے کی پیش کش کر دی، اور فوجوں کو داخل ہونے کی اجازت دیدی، اس میں ضرور کوئی گڑبڑ معلوم ہوتی ہے۔

پورا لشکر بازار سے گزر گیا

چنانچہ آپ سارے لشکر کو جمع کیا اور ان کے سامنے خطبہ دیا اور کہا کہ اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ دشمن نے ہتھیار ڈالدیئے ہیں اور وہ ہمیں داخل ہونے کی دعوت دے رہا ہے، آپ لوگ بیشک داخل ہوں، لیکن میں آپ کے سامنے قرآن کریم کی ایک آیت پڑھتا ہوں آپ اس آیت کو پڑھتے ہوئے اور اس آیت پر عمل کرتے ہوئے داخل ہوں، اس وقت آپ نے یہ آیت تلاوت کی:

قُلْ لِلْمُؤْمِنِیْنَ یَغُضُّوْا مِنْ اَبْصَارِهِمْ وَیَحْفَظُوْا فُرُوْجَهُمْ۔ (سورۃ النور، آیت ۳۰)

یعنی مومنوں سے کہدو کہ اپنی نگاہیں نیچی رکھیں، اور اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کریں یہ ان کے لئے پاکیزگی کا راستہ ہے۔ چنانچہ لشکر قلعے کے اندر اس شان سے داخل ہوا کہ ان کی نگاہیں نیچی تھیں اور اسی حالت میں پورے بازار سے گزر گئے اور شاہی محل تک پہنچ گئے اور کسی نے دائیں بائیں آنکھ اٹھا کر نہیں دیکھا کہ کیا فتنہ ان دکانوں میں ان کا انتظار کر رہا ہے۔

یہ منظر دیکھ کر اسلام لائے

جب شہر والوں نے یہ منظر دیکھا تو آپس میں کہنے لگے کہ یہ کونسی مخلوق ہے اس لئے کہ کوئی فوج فاتح بن کر کسی شہر میں داخل ہوتی ہے تو سینہ تان کر داخل ہوتی ہے آزادی کے ماحول میں داخل ہوتی ہے، اور لوٹ مار کرتی ہے اور عصمتیں لوٹتی ہے، لیکن یہ عجیب وغریب لشکر اس شان سے داخل ہوا کہ چونکہ ان کے امیر نے کہدیا تھا کہ نگاہیں نیچی رکھنا تو سب کی نگاہیں نیچی تھیں، اور اس حالت میں پورا لشکر اس بازار کو پار کر گیا۔ اور شہر کے بے شمار لوگ صرف یہ منظر دیکھ کر مسلمان ہو گئے، اور اللہ تعالیٰ نے ان کو اسلام کی توفیق عطا فرما دی۔

کیا اسلام تلوار سے پھیلا ہے؟

لوگ کہتے ہیں کہ ''اسلام'' تلوار سے پھیلا تھا، بلکہ حقیقت یہ ہے کہ صحابہ کرام کے اس کردار سے پھیلا تھا صحابہ کرامؓ کے اس عمل سے پھیلا تھا۔ بہرحال! آنکھوں کو نیچے رکھنے کے عمل نے نہ صرف یہ کہ ان کو جسمانی اور

نفسانی اور شہوانی فتنے سے محفوظ رکھا، بلکہ اس ذریعہ سے دشمن کے منصوبے اور ان کی چال سے بھی حفاظت فرمائی۔

شیطان کا حملہ چار اطراف سے

ہمارے حضرت حکیم الامت قدس اللہ سرہ فرمایا کرتے تھے کہ جب اللہ تعالیٰ نے شیطان کو جنت سے نکالا اور اس کو راندۂ درگاہ کیا تو اس نے اللہ تعالیٰ کے سامنے بڑے چیلنج کے انداز میں کہا تھا کہ جب آپ نے مجھے جنت سے نکالا ہے اور میری یہ دعا بھی آپ نے قبول کر لی ہے کہ میں قیامت تک زندہ رہوں گا تو اس نے یہ عزم کیا تھا کہ یہ آدم جس کی وجہ سے مجھے جنت سے نکلنا پڑا اس کی اولاد کو میں اس طرح گمراہ کروں گا کہ:

لَاٰتِيَنَّهُمْ مِنْ بَيْنِ اَيْدِيْهِمْ وَمِنْ خَلْفِهِمْ وَعَنْ اَيْمَانِهِمْ وَعَنْ شَمَائِلِهِمْ وَلَا تَجِدُ اَكْثَرَهُمْ شَاكِرِيْنَ۔ (سورۃ الاعراف، آیت ۱۷)

یعنی میں ان کے سامنے سے حملہ کروں گا، ان کے پیچھے سے حملے کروں گا، دائیں سے حملے کروں گا، بائیں طرف سے حملے کروں گا، اور آپ کی اس مخلوق پر چاروں طرف سے حملے کروں گا۔ لہٰذا شیطان نے چاروں جہتیں گھیر رکھی ہیں۔ حضرت حکیم الامت رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ وہ دو سمتوں کو بیان کرنا بھول گیا، ایک اوپر کی جہت اور ایک نیچے کی جہت۔ لہٰذا یہ چاروں سے تو حملہ آور ہے اور اس سے بچاؤ کا راستہ یا تو اوپر ہے، یا نیچے ہے اور اوپر کے راستہ کا

مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ سے رابطہ قائم کرو، اور اس سے مدد مانگو، اس سے رجوع کرو، اس کی طرف انابت کرو اور کہو کہ یا اللہ! یہ شیطان مجھے چاروں طرف سے گھیرے ہوئے ہے۔ اپنے فضل و کرم سے مجھے شیطان کے حملوں سے بچائیے، لہٰذا اوپر کا راستہ تو شیطان سے اس لئے محفوظ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ سے رابطہ قائم کرنے کا ذریعہ ہے۔

نیچے کا راستہ محفوظ ہے

اور نیچے کا راستہ شیطان سے اس لئے محفوظ ہے تا کہ تم نگاہ کو نیچے کر کے چلو، دائیں بائیں آگے پیچھے ان چاروں طرف سے شیطان کا حملہ ہو سکتا ہے، لیکن نیچے کی جہت شیطان کے حملے سے محفوظ ہے۔ جب تم نیچے نگاہ کر کے چلو گے تو اللہ تعالیٰ تمہاری حفاظت فرمائیں گے۔ اس لئے اللہ تعالیٰ یہ حکم دے رہے ہیں کہ اپنی نگاہ کو نیچے کر کے چلو تا کہ اس فتنے میں مبتلا نہ ہو۔ بہر حال! یہ نگاہ کا فتنہ انسان کے باطنی اخلاق کو باطنی کیفیات کو تباہ کرنے والا ہے۔ افسوس یہ ہے کہ ہمارے معاشرے میں یہ بلا ایسی پھیل گئی ہے کہ شاید ہی کوئی اللہ کا بندہ اس سے بچا ہوا ہوگا۔ ایک مسئلہ تو یہ ہے کہ چاروں طرف نگاہ کو متوجہ کرنے اور نگاہ کو لبھانے کے سامان بکھرے پڑے ہیں، ہر طرف سے دعوتِ نظارہ مل رہی ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ جو معاشرہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے قائم فرمایا تھا اس معاشرے میں پردہ تھا حجاب تھا حیاء تھی شرم تھی اور انسانیت کی اعلیٰ صفات اس کے اندر موجود تھیں۔ لیکن آج کے معاشرے میں بے پردگی، بے

حیائی، بے شرمی اور فحاشی اور عریانی کی دوڑ چاروں طرف پھیلی ہوئی ہے جس کی وجہ سے کسی طرف نگاہ کو پناہ نہیں ملتی۔

اللہ تعالیٰ کے سامنے حاضری کا دھیان

دوسرا مسئلہ یہ ہے کہ ہمتیں کمزور ہوگئی ہیں اور ایک مؤمن کے اندر اپنے آپ پر قابو پانے کا جو ملکہ ہونا چاہئے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے سامنے حاضری کو ہر وقت پیش نظر رکھے وہ ایمان کا جذبہ کمزور پڑ گیا ہے اس کی وجہ سے چاروں طرف بدنظری کا فتنہ پھیلا ہوا ہے۔ لیکن یہ بات یاد رکھئے کہ شریعت کے جس حکم پر عمل کرنا جس وقت مشکل ہوجاتا ہے اتنا ہی اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف سے فضل وکرم ہوتا ہے اور اتنا ہی اس حکم پر اجر وثواب بھی زیادہ دیا جاتا ہے۔

اچٹتی نگاہ معاف ہے

پھر ایک بات یہ بھی ہے کہ اگر پہلی مرتبہ بلاقصد اور بلاارادہ کسی نامحرم پر نگاہ پڑ جائے تو اللہ تعالیٰ کے یہاں معاف ہے اس پر کوئی گناہ نہیں، البتہ حکم یہ ہے کہ جب بے اختیار نگاہ پڑے تو فوراً ہٹالو، حدیث شریف میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

لک النظرة الاولی ولیست لک الثانیه۔

یعنی پہلی نگاہ تمہارے لئے ہے، یعنی اس میں کوئی گناہ نہیں لیکن اگر دوسری نگاہ ڈالی اور اس کو باقی رکھا تو یہ گناہ ہے اور قابل مؤاخذہ ہے، لہٰذا اگر کبھی بلا اختیار

نگاہ پڑ جائے تو یہ سمجھ کر فوراً ہٹائے کہ یہ میرے اللہ تعالیٰ کا حکم ہے۔ اور یہ مراقبہ کرے کہ جس وقت میں آنکھ کا غلط استعمال کر رہا ہوں، اگر اس وقت اللہ تعالیٰ میری بینائی واپس لے لے اور مجھ سے یہ کہا جائے کہ جب تک تم بدنگاہی نہیں چھوڑو گے اس وقت تک یہ بینائی نہیں ملے گی تو میں ہزار مرتبہ اس بدنگاہی کو چھوڑنے کے لئے تیار ہو جاؤں گا۔ جب میں اس وقت اس گناہ سے بچنے کے لئے تیار ہوسکتا ہوں تو آج بھی یہ سوچ کر تیار ہوسکتا ہوں کہ میرے مالک نے مجھے اس گناہ سے منع کیا ہے۔

یہ نمک حرامی کی بات ہے

آدمی یہ سوچے کہ جس محسن نے بلا معاوضہ بے مانگے بلا قیمت یہ نعمت مجھے دے رکھی ہے اس کی مرضی کے خلاف اس کو استعمال کرنا بڑی بے حیائی کی بات ہے اور بڑی نمک حرامی کی بات ہے، اس نمک حرامی سے بچنے کے لئے میں اس گناہ کو چھوڑتا ہوں اور پھر ہمت کر کے اس نگاہ کو ہٹالے، اللہ تعالیٰ نے انسان کی ہمت میں بڑی طاقت دی ہے، اپنی ہمت سے بڑے بڑے پہاڑ سر کر لیتا ہے، لہٰذا اس ہمت کو استعمال کرو اور اس نظر کو ہٹالو، اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک حدیث میں یہ وعدہ ہے کہ جو شخص اللہ تعالیٰ سے ڈر کر نگاہ کو غلط جگہ سے ہٹالے گا اللہ تعالیٰ اس کو ایمان کی ایسی روحانی لذت عطا فرمائیں گے جس کے آگے بدنگاہی کی لذتیں ہیچ در ہیچ ہیں، ان لذتوں کی کوئی حیثیت ہی نہیں۔

اللہ تعالیٰ سے دعا

اس کے علاوہ یہ کرو کہ اللہ تعالیٰ سے دعا مانگتے رہو کہ یا اللہ! میں کمزور ہوں بے ہمت ہیں بے حوصلہ ہوں اے اللہ! جب آپ نے یہ کام گناہ قرار دیا ہے تو اپنی رحمت سے مجھے ہمت بھی عطا فرمایئے، مجھے حوصلہ بھی دیجئے، اور مجھے اس بات کی توفیق عطا فرمایئے کہ میں آپ کے اس حکم پر عمل کرسکوں، اور آپ کی دی ہوئی اس نعمت کو صحیح استعمال کرسکوں، غلط جگہ استعمال کرنے سے بچوں۔ خاص طور پر اس وقت جب آدمی گھر سے باہر نکلے، چونکہ وہ اس وقت فتنے کے ماحول کی طرف نکل رہا ہے، نہ جانے کونسا فتنہ پیش آجائے، اس لئے گھر سے نکلنے سے پہلے اللہ تعالیٰ سے دعا کرے کہ یا اللہ! میں عہد تو کرتا ہوں کہ آپ کی دی ہوئی اس نعمت کو غلط استعمال نہیں کروں گا لیکن مجھے اپنے اوپر بھروسہ نہیں ہے اور میں اس وقت تک نہیں بچ سکتا جب تک آپ کی مدد شامل نہ ہو، اس لئے یا اللہ! مجھے اپنے فضل وکرم سے اس فتنے سے بچالیجئے۔ یہ دعا مانگ کر گھر سے باہر نکلو اور ہمت کو کام میں لاؤ، اور اگر کبھی غلطی ہوجائے تو فوراً توبہ استغفار کرو۔ اگر انسان یہ کام کرتا رہے تو انشاء اللہ اللہ تعالیٰ کی رحمت سے امید ہے کہ وہ اس فتنے سے محفوظ رہ سکے گا۔

اللہ تعالیٰ اپنے فضل وکرم سے مجھے بھی اور آپ کو بھی اس پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

وَآخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

خواتین اور پردہ

شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہم

ضبط و ترتیب
محمد عبداللہ میمن

میمن اسلامک پبلشرز
١٨٨/١۔ لیاقت آباد، کراچی ١٩

مقام خطاب : جامع مسجد بیت المکرّم
گلشن اقبال کراچی

وقت خطاب : بعد نماز عصر تا مغرب

اصلاحی خطبات : جلد نمبر : ۱۵

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْم ط

خواتین اور پردہ

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ نَحْمَدُهٗ وَ نَسْتَعِيْنُهٗ وَ نَسْتَغْفِرُهٗ وَ نُؤْمِنُ بِهٖ وَنَتَوَكَّلُ عَلَيْهِ وَنَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَيِّاٰتِ اَعْمَالِنَا ـ مَنْ يَّهْدِهِ اللّٰهُ فَلاَ مُضِلَّ لَهٗ وَمَنْ يُّضْلِلْهُ فَلاَ هَادِىَ لَهٗ وَأَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَاشَرِيْكَ لَهٗ وَأَشْهَدُ اَنَّ سَيِّدَنَا وَنَبِيَّنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّداً عَبْدُهٗ وَ رَسُوْلُهٗ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَعَلٰى اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَبَارَكَ وَسَلَّمَ تَسْلِيْمًا كَثِيْرًا ـ

أَمَّا بَعْدُ! فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ ○ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْم ○ قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ ○ الَّذِيْنَ هُمْ فِىْ صَلاتِهِمْ خٰشِعُوْنَ○ وَالَّذِيْنَ هُمْ عَنِ اللَّغْوِ مُعْرِضُوْنَ○ وَالَّذِيْنَ هُمْ لِلزَّكٰوةِ فٰعِلُوْنَ○ وَالَّذِيْنَ هُمْ

لِفُرُوْجِهِمْ حٰفِظُوْنَ ○ اِلَّا عَلٰٓى اَزْوَاجِهِمْ اَوْمَامَلَكَتْ اَيْمَانُهُمْ فَاِنَّهُمْ غَيْرُ مَلُوْمِيْنَ ○ فَمَنِ ابْتَغٰى وَرَآءَ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْعٰدُوْنَ ○

(سورۃ المؤمنون: ۱۔۸)

آمنت باللہ صدق اللہ مولانا العظیم وصدق رسولہ النبی الکریم ونحن علی ذٰلک من الشاھدین والشاکرین والحمدللہ ربّ العٰلمین

تمہید

بزرگانِ محترم و برادران عزیز! اللہ تعالیٰ نے ان آیات میں مؤمنوں کی صفات بیان فرمائی ہیں اور یہ ارشاد فرمایا ہے کہ جو مؤمن ان صفات کے حامل ہوں گے ان کو دنیا و آخرت کی فلاح نصیب ہوگی۔ ان میں سے ایک صفت یہ بیان فرمائی کہ جو مؤمن اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کرنے والے ہیں، شرمگاہوں کی حفاظت سے مراد یہ ہے کہ وہ پاک دامنی اختیار کرتے ہیں اور عفت وعصمت اختیار کرتے ہیں اور اپنی نفسانی خواہشات اور جنسی خواہشات کو صرف جائز حدود کی حد تک محدود رکھتے ہیں، جائز حدود کا مطلب یہ ہے کہ نکاح کے ذریعہ میاں بیوی کے درمیان جو تعلقات قائم ہوتے ہیں، وہ اللہ تعالیٰ نے حلال کر دیئے ہیں۔ قرآن کریم کہتا ہے کہ جو لوگ اس نکاح کے رشتے سے باہر اپنی جنسی خواہشات کی تسکین کرنا چاہتے ہیں، وہ حد سے گزرنے والے ہیں اور اپنی جانوں پر ظلم کرنے والے ہیں، کیونکہ اس کا انجام دنیا میں

بھی خراب ہے اور آخرت میں بھی خراب ہے۔

پہلا حکم: آنکھ کی حفاظت

میں نے عرض کیا تھا شریعت نے ہمیں جہاں پاکدامنی اختیار کرنے کا حکم دیا ہے کہ اپنی جنسی خواہشات کو جائز حدود کے اندر محدود رکھیں، اس سے باہر نہ نکلیں، اس مقصد کے لئے شریعت نے بہت سے ایسے احکام دئے ہیں۔ جن کے ذریعہ ایک پاکدامن معاشرہ وجود میں آسکے، اس پاکدامن معاشرے کو وجود میں لانے کے لئے آنکھ کی حفاظت کی ضرورت ہے، اس کے لئے کان کی حفاظت کی ضرورت ہے، اور اس کے ایسا ماحول پیدا کرنے کی ضرورت ہے کہ جس میں یہ سفلی اور ناپاک جذبات یا تو پرورش ہی نہ پائیں، یا اگر پرورش پائیں تو پھر ان کو ناجائز تسکین کا راستہ نہ ملے۔ ان میں سے ایک حکم جس کا پچھلے دو جمعوں میں بیان ہوا، وہ تھا "آنکھ کی حفاظت" شریعت نے آنکھ پر یہ پابندی لگائی ہے کہ وہ کسی نامحرم کو لذت لینے کی غرض سے نہ دیکھے۔

دوسرا حکم: خواتین کا پردہ

پاکیزہ معاشرہ وجود میں لانے کے لئے اللہ تعالیٰ نے دوسرا حکم جو عطا فرمایا، وہ "خواتین کا پردہ" ہے اوّلاً تو خواتین کو یہ حکم دیا گیا ہے کہ:

وَقَرْنَ فِي بُيُوْتِكُنَّ وَلَا تَبَرَّجْنَ تَبَرُّجَ الْجَاهِلِيَّةِ الْأُوْلٰى۔ (سورۃ الاحزاب، آیت ۳۳)

یہ خطاب ازواج مطہرات اور امہات المؤمنین کو اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی شریکہائے زندگی کو ہو رہا ہے، ان سے یہ فرمایا جا رہا ہے کہ تم اپنے گھر میں قرار سے رہو، اور اس طرح بناؤ سنگھار کر کے باہر نہ نکلو جس طرح زمانہ جاہلیت میں عورتوں کا طریقہ تھا۔ زمانہ جاہلیت میں پردہ کا کوئی تصور نہیں تھا، اور خواتین زیب و زینت کر کے گھر سے باہر نکلتیں اور لوگوں کو بدکاری پر آمادہ کرتیں، قرآن کریم ازواج مطہرات کو خطاب کرتے ہوئے فرما رہا ہے کہ آپ لوگ گھروں سے باہر نہ نکلیں۔

خواتین گھروں میں رہیں

لہٰذا خواتین کے لئے اصل حکم یہ ہے کہ وہ اپنے گھر میں رہیں اور گھروں کو سنبھالیں، بلا ضرورت عورت کا گھر سے باہر نکلنا پسندیدہ نہیں کیونکہ حدیث شریف میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جب کوئی عورت بلا ضرورت گھر سے نکلتی ہے تو شیطان اس کی تاک میں لگ جاتا ہے، اس لئے اصل حکم یہ ہے کہ خواتین حتی الامکان گھروں میں رہیں، اور اگر کسی ضرورت سے گھر سے نکلیں تو اس طرح بناؤ سنگھار کر کے نہ نکلیں جیسا کہ جاہلیت کی عورتوں کا طریقہ تھا۔

آجکل کا پروپیگنڈہ

یہاں دو باتیں ذرا سمجھنے کی ہیں اور آج کل کے ماحول میں خاص طور پر

اس لئے سمجھنے کی ضرورت ہے کہ آج کل پروپیگنڈے کا ایک طوفان اٹڈ رہا ہے اور یہ پروپیگنڈہ غیر مسلموں کی طرف سے تھا اب نام نہاد مسلمانوں کی طرف سے بھی پروپیگنڈے کا ایک طوفان ہے، وہ پروپیگنڈہ یہ ہے کہ اسلام نے اور ان مولویوں نے عورت کو گھر کی چار دیواری میں مقید کر دیا ہے اور اس کو گھر سے باہر نکلنے کی اجازت نہیں۔

آج پروپیگنڈے کی دنیا ہے

آج کی دنیا پروپیگنڈے کی دنیا ہے۔ جس میں بد سے بدترین جھوٹ کو پروپیگنڈے کی طاقت سے لوگوں کے دلوں میں اس طرح بٹھا دیا جاتا ہے جیسے کہ یہ پکی اور سچی حقیقت ہے۔ جرمنی کا مشہور سیاست دان گزرا ہے جس کا نام تھا ''گوئیرنگ'' اس کا یہ مقولہ مشہور ہے کہ دنیا میں جھوٹ اتنی شدت کے ساتھ پھیلاؤ کہ دنیا اس کو سچ سمجھنے لگے، یہی اس کا فلسفہ ہے۔ آج چاروں طرف اسی فلسفہ پر عمل ہورہا ہے۔

یہ اصولی ھدایت ہے

چنانچہ آج یہ پروپیگنڈہ کیا جارہا ہے کہ یہ اکیسویں صدی ہے۔ اس میں عورتوں کو گھر کی چار دیواری میں مقید کر دینا پرلے درجے کی دقیانوسیت ہے اور رجعت پسندی ہے، اور زمانہ کی ترقی کے ساتھ قدم ملا کر چلنے والی بات نہیں ہے۔ غور سے یہ بات سن لیں کہ قرآن کریم عورتوں سے یہ جو کہہ رہا ہے کہ

اپنے گھروں میں قرار سے رہو، ایک بڑی اصولی ہدایت ہے جو اللہ جل شانہ نے عطا فرمائی ہے۔

مرد اور عورت دو الگ الگ صنفیں

یہ اصولی ہدایت اس طرح ہے کہ اللہ تعالیٰ نے دو صنفیں پیدا فرمائی ہیں ایک مرد اور ایک عورت، دونوں مختلف صنفیں ہیں، اور اللہ تعالیٰ نے دونوں کی تخلیق مختلف طریقے سے کی ہے، مرد کی جسمانی ساخت کچھ اور ہے، عورت کی جسمانی ساخت کچھ اور ہے، مرد کی صلاحیتیں کچھ اور ہیں، عورت کی صلاحیتیں کچھ اور ہیں، مرد کے دل میں پیدا ہونے والے افکار کچھ اور ہیں، عورت کے دل میں پیدا ہونے والے افکار کچھ اور ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے دونوں کے اندر یہ اختلاف اس لئے رکھا ہے کہ دونوں وظیفہ زندگی الگ الگ ہیں لیکن آج ''مساوات مرد و زن'' کا نعرہ لگایا جاتا ہے کہ جو کام مرد کرے وہ کام عورت بھی کرے، یہ مساوات کا نعرہ درحقیقت فطرت سے بغاوت ہے، اللہ تعالیٰ نے ان دونوں صنفوں میں اس لئے اختلاف رکھا ہے کہ دونوں کا وظیفہ زندگی بھی مختلف ہے، دونوں کا دائرہ کار بھی مختلف ہے۔

ذمہ داریاں الگ الگ ہیں

دیکھئے انسان کو اپنی زندگی گزارنے کے لئے دو چیزوں کی ضرورت ہوتی ہے، ایک گھر کے باہر کی ذمہ داری کہ وہ گھر سے باہر وہ اپنی روزی کمانے

کا کام انجام دے، تجارت کرے، زراعت کرے، ملازمت کرے، مزدوری کرے، اور اس کے ذریعہ پیسے کمائے، اور اپنے لئے روزی کا سامان مہیا کرے۔ ایک ضرورت یہ ہے، دوسری گھر کے اندر کی ذمہ داری کہ اس کے گھر کا نظام صحیح ہو، اور گھر کے نظام کے اندر اگر بچے ہیں تو ان کی تربیت درست ہو، گھر کی صفائی ستھرائی ٹھیک ہو، اور گھر کے اندر چین وسکون کی زندگی گزاریں، اور گھر کے اندر کھانے پینے کا بندوبست ہو۔ لہٰذا گھر کے باہر کی ذمہ داریاں بھی ہیں، اور گھر کے اندر کی بھی ذمہ داریاں ہیں۔

حضور ﷺ کی تقسیم کار

اللہ تبارک وتعالیٰ نے جو فطری نظام بنایا تھا اس پر ہزار ہا سالوں سے عمل ہوتا چلا آرہا تھا، بلاقید مذہب وملت، دنیا کی ہر قوم، ہر مذہب اور ہر ملت میں یہی طریقہ کار رائج تھا کہ مرد گھر کے باہر کی ذمہ داریاں پوری کرے گا۔ اور عورت گھر کے اندر کا انتظام کریگی۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے جب اپنی صاحبزادی حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا نکاح حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کیا تو ان کے درمیان بھی یہی تقسیم کار فرمائی کہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے آپ ﷺ نے فرمایا کہ تمہارا کام کمانا ہے، جاؤ، باہر جا کر کماؤ اور حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے فرمایا کہ تم گھر کے اندر رہ کر گھر کی ذمہ داریاں سنبھالو۔ یہ فطری تقسیم ان دونوں کے درمیان فرمائی جو ہزاروں سال سے چلی آرہی تھی۔

صنعتی انقلاب کے بعد دو مسئلے

سولہوی صدی عیسوی کے بعد جب یورپ میں صنعتی انقلاب آیا تو تجارتوں کا میدان وسیع ہوا تو ایک مسئلہ یہ پیدا ہوا کہ مرد کو پیسے کمانے کے لئے لمبے لمبے عرصے تک اپنے گھروں سے باہر رہنا پڑتا تھا، سفروں پر رہنا پڑتا تھا، جس کی وجہ سے وہ اپنی بیوی سے دور رہتا۔ دوسرا مسئلہ یہ ہوا کہ صنعتی انقلاب کے نتیجے میں زندگی گراں ہوگئی۔ جس کی وجہ سے مرد کو یہ بات گراں معلوم ہوئی کہ میں اپنی بیوی کا خرچہ بھی اٹھاؤں۔ ان دو مسئلوں کا حل یورپ کے مرد نے یہ تلاش کیا کہ اس عورت سے کہا کہ تمہیں خوامخواہ ہزاروں سال سے گھر کے اندر قید رکھا ہوا ہے لہٰذا تم بھی گھر سے باہر نکلو اور مردوں کے شانہ بشانہ کام کرو، اور دنیا کی جتنی ترقیاں ہیں وہ سب تم حاصل کرو۔ اس کے ذریعہ یورپ کے مرد کا اصل مقصد یہ تھا کہ عورت کے اخراجات کی جو ذمہ داری مرد کے کندھے پر تھی، وہ ذمہ داری عورت ہی کے کندھے پر ڈال دے۔ دوسرا مقصد یہ تھا کہ جب عورت بازار میں اور سڑکوں پر آجائے گی تو پھر اس کو بھلا پھسلا کر اپنا مطلب پورا کرنے کی پوری گنجائش ہر جگہ میسر ہوگی۔

آج عورت قدم قدم پر موجود

لہٰذا اب یورپ میں یہ قصہ ختم ہوگیا کہ بیوی اکیلی گھر میں بیٹھی ہے اور مرد کو لمبے لمبے سفر پر جانا ہے، اور وہ اتنے لمبے عرصہ تک اس بیوی کے قرب

سے لطف اندوز نہیں ہو سکے گا، یہ بات ختم ہو چکی اب تو قدم قدم پر عورت موجود ہے، دفتروں میں عورت موجود، بازاروں میں عورت موجود، ریلوں میں عورت موجود، جہازوں میں عورت موجود اور ساتھ مین یہ قانون بھی بنا دیا گیا کہ اگر دو مرد وعورت آپس میں رضامندی سے جنسی تسکین کرنا چاہیں تو ان پر کوئی رکاوٹ عائد نہیں ہے۔ نہ قانون کی رکاوٹ ہے نہ اخلاقی رکاوٹ ہے۔ اب عورت ہر جگہ موجود ہے، اور اس سے فائدہ اٹھانے کے راستے چوپٹ کھلے ہوئے ہیں، اور مرد کے سر پر عورت کی کوئی ذمہ داری بھی نہیں ہے، بلکہ عورت سے یہ کہدیا گیا کہ تمہیں کماؤ بھی اور قدم قدم پر ہمارے لئے لذت حاصل کرنے کے اسباب بھی مہیا کرو۔

مغرب میں عورت کی آزادی کا نتیجہ

عورت کے ساتھ یہ فراڈ کھیلا گیا اور اس کو دھوکہ دیا گیا، اور اس کا نام ''تحریک آزادی نسواں'' رکھا گیا، یعنی عورتوں کی آزادی کی تحریک، اس فراڈ کے ذریعہ عورت کو گھر سے باہر نکال دیا، تو اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ صبح اٹھ کر شوہر صاحب اپنے کام پر چلے گئے اور بیوی صاحبہ اپنے کام پر چلی گئیں اور گھر میں تالا ڈال دیا۔ اور اگر بچہ پیدا ہوا تو اس کو کسی چائلڈ کیر کے سپرد کر دیا گیا، جہاں پر اس کو انائیں تربیت دیتی رہیں، باپ کی شفقت اور ماں کی مامتا سے محروم وہ بچہ چائلڈ کیر میں پرورش پا رہا ہے، جو بچہ ماں باپ کی شفقت اور محبت سے محروم ہو کر دوسروں کے ہاتھوں میں پلے گا، اس کے دل میں باپ کی کیا عظمت ہوگی

اور ماں کی کیا محبت ہوگی۔

بوڑھا باپ ''اولڈ ایج ہوم'' میں

اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ جب باپ صاحب بوڑھے ہوتے ہیں تو بیٹے صاحب ان کو لے جایا کر ''اولڈ ایج ہوم'' میں داخل فرما دیتے ہیں کہ تم نے ہماری پیدائش کے بعد ''چائلڈ کیئر'' کے حوالے کر دیا تھا، اب ہم تمہیں تمہارے بڑھاپے میں ''اولڈ ایج ہوم'' کے حوالے کر دیتے ہیں۔ ایک ''اولڈ ایج ہوم'' کے نگران نے مجھے خود بتایا کہ ایک بوڑھے صاحب ہمارے ''اولڈ ایج ہوم'' میں تھے، جب ان کا انتقال ہوگیا تو میں نے ان کے بیٹے کو ٹیلیفون کیا کہ آپ کے والد صاحب کا انتقال ہوگیا ہے، آپ آ کر ان کی تجہیز و تکفین کر دیجئے۔ بیٹے نے جواب دیا کہ مجھے بڑا افسوس ہوا کہ میرے باپ کا انتقال ہوگیا، لیکن مشکل یہ ہے کہ آج مجھے بہت ضروری کام درپیش ہیں، لہٰذا میں نہیں آ سکتا، آپ براہ کرم ان کی تجہیز و تکفین کا انتظام کر دیں، اور جو پیسے خرچ ہوں، اس کا بل میرے پاس بھیج دیجئے۔

مغربی عورت ایک بکاؤ مال

آج مغرب کا یہ حال ہے کہ وہاں خاندانی نظام تباہ ہو چکا ہے، ماں باپ کے رشتوں کی جو مٹھاس تھی وہ فنا ہو چکی، بھائی بہن کے تعلقات ملیامیٹ ہو چکے، ایک طرف تو خاندانی نظام تباہ ہو چکا اور دوسری طرف وہ عورت ایک

کھلونا بن گئی، چاروں طرف اس کی تصویر دکھا کر اس کے ایک ایک عضو کو برسر بازار برہنہ کر کے اس کے ذریعہ تجارت چمکائی جا رہی ہے۔ اس کے ذریعہ پیسے کمانے کا انتظام کیا جا رہا ہے۔

عورت کو دھوکہ دیا گیا

اس عورت سے یہ کہا گیا تھا کہ تمہیں گھروں کے اندر قید کر دیا گیا ہے۔ تمہیں باہر اس لئے نکالا جا رہا ہے تاکہ تم ترقی کرو، تم سربراہ مملکت بن جانا، تم وزیر بن جانا، تم فلاں فلاں بڑے عہدوں پر پہنچ جانا، آج امریکہ کی تاریخ اٹھا کر دیکھ لیجئے کہ پوری تاریخ میں کتنی عورتیں امریکہ کی صدر بنیں؟ یا سربراہ بنیں، یا وزراء بنیں؟ ایک خاتون بھی صدر نہیں بنی، صرد دو چار عورتیں وزراء بنیں، لیکن ان دو چار عورتوں کی خاطر لاکھوں عورتوں کو سڑکوں پر گھسیٹ لیا گیا۔ آج وہاں جا کر دیکھ لیجئے، دنیا کا ذلیل ترین کام عورت کے سپرد ہے۔ سڑکوں پر جھاڑو دے گی تو عورت دے گی، ہوٹلوں میں ویٹرس کا کام عورت کرے گی، بازاروں میں سیلز گرل کا کام عورت کرے گی، ہوٹلوں میں بستروں کی چادر عورت تبدیل کرے گی، اور جہازوں میں کھانا عورت سرو کرے گی۔ وہ عورت جو اپنے گھر میں اپنے شوہر کو اپنے بچوں کو اور اپنے ماں باپ کو کھانا سرو کر رہی تھی، وہ اس کے لئے دقیانوسیت تھی، وہ رجعت پسندی تھی، وہ عورت کے لئے قید تھی، اور وہی عورت بازاروں کے اندر، ہوٹلوں کے اندر، ہوائی جہازوں کے اندر سیکڑوں انسانوں کو کھانا سرو کرتی ہے، اور ان کی ہوس ناک نگاہوں کا نشانہ

بنتی ہے تو یہ عزت ہے اور یہ آزادی ہے۔

خرد کا نام جنوں رکھ دیا، جنوں کا نام خرد
جو چاہے آپ کا حسنِ کرشمہ ساز کرے

عورت پر ظلم کیا گیا

ایک طرف تو عورت کا حشر کیا یہ اور دوسری طرف وہ لوگ جو آزادیٔ نسواں کے علمبردار کہلاتے ہیں انہوں نے عورت پر جو ظلم کیا ہے تاریخ انسانیت میں اس سے بڑا ظلم نہیں ہوا، آج اس کے ایک ایک عضو کو بیچا جا رہا ہے، اور اس کی عزت اور تکریم کی دھجیاں بکھیری جا رہی ہیں، اور پھر بھی یہ کہتے ہیں کہ ہم عورت کے وفادار ہیں، اور عورت کی آزادی کے علمبردار ہیں۔ اور جس نے عورت کے سر پر عفت وعصمت کا تاج رکھا تھا اور اس کے گلے میں احترام کے ہار ڈالے تھے، اس کے بارے میں یہ کہا جا رہا ہے کہ انہوں نے عورت کو قید کر دیا۔ اور یہ عورت ایسی مخلوق اللہ تعالیٰ نے بنائی ہے کہ جو چاہے ان کو بہکا دے، اور اپنا اُلو سیدھا کرلے، چنانچہ آج ہماری مسلمان خواتین نے بھی ان ہی کی لے میں لے ملانی شروع کردی۔

ہمارے معاشرے کا حال

آپ کو یاد ہوگا کچھ دن پہلے ہمارے ملک کے ایک معروف رہنما نے یہ کہہ دیا تھا کہ ''مردوں کو چاہئے کہ وہ عورتوں کے خرچ کا انتظام کریں، عورتوں کو

بلاوجہ گھر سے باہر نکل کر اپنے معاش کا انتظام کرنا ٹھیک نہیں ہے'' اس کے جواب میں جو خواتین ماڈرن کہلاتی ہیں اور اپنے آپ کو خواتین کے حقوق کی علمبردار کہتی ہیں، انہوں نے ان صاحب کے خلاف ایک جلوس نکالا، اور یہ کہا کہ ان صاحب نے ہمارے خلاف یہ بات کہی ہے۔ اب دیکھئے کہ ایک آدمی یہ کہتا ہے کہ آپ کو اپنے معاش کی فکر کرنے کی ضرورت نہیں ہے، دوسرے لوگ آپ کے لئے یہ خدمت انجام دینے کو تیار ہیں۔ اس پر عورتوں کو خوش ہونا چاہئے، مگر جھوٹ کا یہ پروپیگنڈہ ساری دنیا میں عالمی طور پر پھیلایا گیا ہے، اس لئے خوش ہونے کے بجائے یہ کہا جارہا ہے کہ یہ صاحب خواتین کے حقوق تلف کرنا چاہتے ہیں اور جلوس نکالنے والی وہ عورتیں ہیں جنہوں نے خواتین کے حقیقی مسائل سمجھنے کی زحمت ہی گوارہ نہیں کی۔ ان خواتین نے ائیرکنڈیشنر محلات میں پرورش پائی ہے۔ دیہات میں جو عورت بستی ہے اس کے کیا مسائل ہیں، اس کو کن مسائل کا سامنا کرنا پڑتا ہے، اس سے کوئی تعرض نہیں کیا، کبھی ان کے مسائل کو جاننے کی کوشش نہیں کی۔ ان کے نزدیک صرف مسئلہ یہ ہے کہ ہمیں مغرب کے لوگ یورپ اور امریکہ کے لوگ یہ کہدیں کہ ''ہاں تم لوگ روشن خیال ہو'' اور تم لوگ اکیسوی صدی کے ساتھ چلنے والے ہو، بس یہ مسئلہ ہے، ان کے نزدیک کوئی اور مسئلہ نہیں ہے۔

ایسی مساوات فطرت سے بغاوت ہے

بہرحال آج یہ پروپیگنڈہ ساری دنیا میں پھیلایا ہوا ہے کہ یہ مسلمان،

یہ مولوی ملا لوگ عورتوں کو گھروں میں بند کرنا چاہتے ہیں۔ جبکہ حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے زندگی کے دو مختلف دائرہ کار تجویز کئے ہیں، مرد کے لئے الگ، عورت کے لئے الگ، اس لئے مرد کی جسمانی ساخت اور ہے، اور عورت کی جسمانی ساخت اور ہے۔ مرد کی صلاحیتیں اور ہیں، عورت کی صلاحیتیں اور ہیں۔ لہٰذا مساوات کا یہ نعرہ لگانا کہ عورت بھی وہی سب کام کرے جو کام مرد کرتا ہے تو یہ فطرت سے بغاوت ہے، اور اس کے نتیجے میں خاندانی نظام تباہ ہو چکا ہے، اگر ہم اپنے معاشرے میں خاندانی نظام کو بچانا چاہتے ہیں تو اس کے لئے خواتین کو پردہ میں رکھنا ہوگا، اور مغرب کے پروپیگنڈہ کے اثرات کو اپنے معاشرے سے نکالنا ہوگا۔ اللہ تعالیٰ ہمارے معاشرے کو مغربی آفات سے محفوظ فرمائے، اور چین وسکون کی زندگی ہم سب کو عطا فرمائے آمین۔

وَآخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

بے پردگی کا سیلاب

شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہم

ضبط و ترتیب
محمد عبداللہ میمن

میمن اسلامک پبلشرز
۱۸۸/۱، لیاقت آباد، کراچی ۱۹

مقام خطاب : جامع مسجد بیت المکرم
گلشن اقبال کراچی
وقت خطاب : بعد نماز عصر تا مغرب
اصلاحی خطبات : جلد نمبر ؛ ۱۵

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْم

بے پردگی کا سیلاب

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ نَحْمَدُهٗ وَ نَسْتَعِيْنُهٗ وَ نَسْتَغْفِرُهٗ وَ نُؤْمِنُ بِهٖ وَنَتَوَكَّلُ عَلَيْهِ وَنَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَيِّاٰتِ اَعْمَالِنَا ۔ مَنْ يَّهْدِهِ اللّٰهُ فَلاَ مُضِلَّ لَهٗ وَمَنْ يُّضْلِلْهُ فَلاَ هَادِىَ لَهٗ وَأَشْهَدُ اَنْ لَّا إِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَاشَرِيْكَ لَهٗ وَأَشْهَدُ اَنَّ سَيِّدَنَا وَنَبِيَّنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّداً عَبْدُهٗ وَ رَسُوْلُهٗ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَعَلٰى اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَبَارَكَ وَسَلَّمَ تَسْلِيْمًا كَثِيْرًا ۔
أَمَّا بَعْدُ! فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ ○ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○ قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ ○ الَّذِيْنَ هُمْ فِىْ صَلَاتِهِمْ خٰشِعُوْنَ○ وَالَّذِيْنَ هُمْ عَنِ اللَّغْوِ مُعْرِضُوْنَ○ وَالَّذِيْنَ هُمْ لِلزَّكٰوةِ فٰعِلُوْنَ○ وَالَّذِيْنَ هُمْ

لِفُرُوْجِهِمْ حٰفِظُوْنَ ○ اِلَّا عَلٰٓى اَزْوَاجِهِمْ
اَوْمَامَلَكَتْ اَيْمَانُهُمْ فَاِنَّهُمْ غَيْرُ مَلُوْمِيْنَ ○
فَمَنِ ابْتَغٰى وَرَآءَ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْعٰدُوْنَ ○
(سورۃ المؤمنون: ۱۔۸)

آمنت باللّٰہ صدق اللّٰہ مولانا العظیم وصدق رسولہ النبی الکریم ونحن علی ذلک من الشاھدین والشاکرین والحمدللّٰہ ربّ العٰلمین

تمہید

بزرگانِ محترم و برادران عزیز! سورۃ مؤمنون کی ابتدائی آیات کا بیان کافی عرصہ سے چل رہا ہے، ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے فلاح یافتہ مؤمنوں کی صفات بیان فرمائی ہیں، پچھلے دو جمعوں سے چوتھی صفت کا بیان چل رہا ہے، جس کا حاصل یہ ہے کہ مؤمن کی ایک لازم صفت یہ ہونی چاہئے کہ وہ پاک دامن ہو، عفت اور عصمت کا خیال رکھنے والا ہو۔ اس صفت کے بیان کے ضمن میں یہ عرض کیا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں ایک ایسا فطرت والا دین عطا فرمایا ہے جس میں انسان کی تمام جائز خواہشات اور ضروریات کی پوری رعایت ہے۔

جنسی تسکین کا حلال راستہ

چونکہ اللہ تعالیٰ نے ہر انسان کے اندر ایک جنسی جذبہ رکھا ہے، مرد کو عورت کی طرف کشش ہوتی ہے اور عورت کو مرد کی طرف کشش ہوتی ہے، اس لئے اللہ تعالیٰ نے اس جنسی جذبہ کی تسکین کا ایک حلال راستہ اہل ایمان کے

لئے پیدا کر دیا، وہ ہے نکاح کا راستہ، نہ صرف اس راستے کو جائز قرار دیا بلکہ سنت قرار دیا، بعض حالات میں تو اس کو واجب قرار دیا اور اس نکاح کو باعث اجر وثواب بتایا، اس نکاح کے ذریعہ انسان اپنی نفسانی خواہشات کی تسکین کرے تو اس پر اجر وثواب کا وعدہ ہے، ایک حلال راستہ متعین کر دینے کے بعد اور اس کو باعث اجر وثواب قرار دینے کے بعد انسان سے یہ کہا گیا کہ اس حلال راستے سے ہٹ کر جنسی خواہش کی تسکین کا جو راستہ بھی اختیار کرو گے، وہ گناہ ہوگا، لہٰذا حلال راستے کی حد تک محدود رہو۔ اور یہ بھی فرمادیا کہ اگر کسی شخص کو کسی وجہ سے نکاح کرنے میں رکاوٹ ہے تو جب تک اللہ تعالیٰ اس کے لئے یہ راستہ کھولیں، اس وقت تک وہ عفت اور پاکدامنی اختیار کرے اور اپنے نفس پر کنٹرول کرے، لیکن نکاح کے دائرے سے ہٹ کر اپنی جنسی جذبے کی تسکین کرنے کو حرام اور ناجائز قرار دیدیا۔

انسان کتے اور بلّی کی صف میں

اس کی وجہ یہ ہے کہ تجربہ اس بات پر گواہ ہے کہ اگر انسان ایک مرتبہ اس جائز اور حلال راستے سے ہٹ کر اپنے نفسانی خواہشات کی تکمیل کا راستہ ڈھونڈے گا تو پھر وہ کسی حد پر قائم نہیں رہتا، بلکہ پھر وہ اتنا آگے بڑھ جاتا ہے کہ کتوں اور بلّیوں کو مات کر دیتا ہے، گدھوں اور گھوڑوں کو مات کر دیتا ہے اور اس کے باوجود اس کی خواہشات کی مکمل تسکین نہیں ہوتی۔ آج مغربی دنیا میں جو کچھ ہو رہا ہے، وہ اس کا واضح ثبوت ہے، انہوں نے شادی اور نکاح سے باہر

ہٹ کر اپنی نفسانی خواہشات کی تسکین کے راستے تلاش کئے، تو آج وہ اس حد پر پہنچ گئے ہیں کہ کوئی شریف انسان اس کا تصور تک نہیں کر سکتا، ماں اور بیٹے کا فرق مٹ چکا ہے، بہن اور بھائی کا فرق مٹ چکا ہے اور اس حد پر پہنچ گئے ہیں کہ کتے اور بلی بھی ان کی حرکتوں سے شرما جائیں، اس کے باوجود ان کی خواہشات کی تسکین نہیں ہوتی۔

نہ بجھنے والی پیاس بن جاتی ہے

آپ سب حضرات جانتے ہوں گے کہ مغربی ممالک میں بدکاری کرنا کوئی مسئلہ نہیں ہے، کسی بھی عورت کو راضی کر کے اس کے ساتھ بدکاری کر لینے کے دروازے چوپٹ کھلے ہوئے ہیں، کوئی روک ٹوک نہیں، کوئی پابندی نہیں، اس کے باوجود ''زنا بالجبر'' کے واقعات سب سے زیادہ مغربی ملکوں میں ہوتے ہیں۔ وجہ اس کی یہ ہے کہ یہ جذبہ ایسا ہے کہ جب ایک مرتبہ حد سے آگے گزر جائے تو کسی حد پر اس کو قناعت نہیں ہوتی، وہ ''استسقاء'' کا مریض بن جاتا ہے، جیسے ''استسقاء'' کا مریض کتنا ہی پانی پی لے، اس کی پیاس نہیں بجھتی، اور وہ ''جوع البقر'' کا مریض بن جاتا ہے، کیونکہ ''جوع البقر'' کا مریض کتنا ہی کھانا کھالے، لیکن اس کی بھوک نہیں مٹتی، اسی طرح ناجائز ذریعہ سے جنسی خواہش پورے کرنے والے کی کیفیت یہ ہو جاتی ہے کہ اب لذت اور لطف کے کسی درجے پر قرار نصیب نہیں ہوتا، یہاں تک کہ وہ پیاسا کا پیاسا دنیا سے رخصت ہو جاتا ہے۔ اس وجہ سے شریعت نے بتا دیا کہ اس حلال دائرے میں

رہو گے تو اس عذاب سے تمہیں نجات مل جائے گی۔

حرام سے بچنے کیلئے دو پہرے

اب حلال دائرے میں رہنے کے لئے اور حرام طریقوں سے بچنے کے لئے شریعت نے جو پہرے لگائے اور بدکاریوں کے جن راستوں کو بند کیا، ان کا ذکر پچھلے جمعہ کو شروع کیا تھا، ان میں پہلا پہرہ ''آنکھ کی حفاظت'' ہے، جس کا بیان پچھلے دو جمعوں میں تفصیل سے ہوگیا۔ دوسرا پہرہ ''خواتین کا پردہ'' ہے، جس کے بارے میں فرمایا کہ مرد کا دائرہ کار اور ہے اور عورت کا دائرہ کار اور ہے، مرد گھر کے باہر کا انتظام کرے اور عورت گھر کے اندر کا انتظام کرے اور عورتوں سے کہا گیا کہ تم اپنے گھروں میں قرار سے رہو اور جیسے جاہلیت کے زمانے میں عورتیں بناؤ سنگھار کرکے باہر نکلا کرتی تھیں، اس طریقے سے تم باہر نہ نکلو، لہٰذا خواتین کو پہلے یہ بتایا گیا کہ تمہارا اصل مقام تمہارا گھر ہے۔

خاندانی نظام کی بقاء پردہ میں

اور صرف اتنی بات نہیں کہ وہ گھر میں رہیں بلکہ اس کے ذریعہ پورے فیملی سسٹم اور پورے خاندانی نظام کا اصول بیان کیا جا رہا ہے کہ اگر خاندان کے نظام کو برقرار رکھنا چاہتے ہو تو پھر تمہیں یہ تقسیم کار کرنی پڑے گی کہ مرد گھر کے باہر کے کام دیکھے اور عورت اپنے گھر کا انتظام کرے، بچوں کی پرورش بھی کرے، گھر کا نظم ونسق بھی درست رکھے اور باہر نکل کر وہ لوگوں کی ہوس ناک نگاہوں کی تسکین کا ذریعہ نہ بنے۔

مغرب کا عورت پر ظلم

مغرب نے عورت کے ساتھ یہ ظلم کیا کہ اس کو اپنی تجارت چمکانے کا ذریعہ بنالیا، اللہ تعالیٰ نے عورت کے سر پر عفت اور عصمت کا جو تاج رکھا تھا اور اس کے گلے میں جو عزت کے ہار ڈالے تھے، ان کو ملیامیٹ کر کے اس کو ''سیلز گرل'' بنا دیا اور اشتہارات کے اندر اس کو عریاں کر کے اس کے ذریعہ لوگوں کو دعوت دی گئی کہ آؤ ہم سے مال خریدو۔ یہ سارے کام جو اہل مغرب کر رہے ہیں، یہ ان کو مبارک ہوں، لیکن اہل اسلام کی خواتین کے لئے اللہ تعالیٰ نے یہ تعلیم دی کہ تم اپنے گھروں میں قرار سے رہو اور اگر کسی ضرورت سے نکلنا پڑے تو ضرورت کے تحت نکلنا منع نہیں، لیکن اس طرح بناؤ سنگھار اور زیب وزینت کر کے نہ نکلو جس سے معاشرے میں فتنے پھیلیں۔

عورت اور لباس

اللہ تبارک وتعالیٰ نے عورت کے جسم میں مرد کے لئے ایک کشش رکھی ہے، وہ فطری کشش ہے، اس وجہ سے خواتین کو اس بات کی تاکید کی گئی کہ جب وہ گھر سے باہر نکلیں تو اپنے جسم کی نمائش نہ کریں اور جو لباس وہ اپنے گھروں میں اپنے محرموں کے سامنے پہنیں، وہ اتنا چست نہ ہو کہ اس کے ذریعہ جسم کے نشیب وفراز اس میں سے نمایاں ہو جائیں اور وہ لباس اتنا بارک نہ ہو کہ اس سے جسم جھلکے۔ ایک حدیث میں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: رُبَّ کاسیة فی الدنیا عاریة فی الآخرة

(بخاری، کتاب الادب، باب التکبیر والتسبیح عند التعجب)

بہت سی عورتیں ایسی ہیں جو دنیا میں لباس تو پہنتی ہیں لیکن وہ آخرت میں برہنہ اور ننگی ہونگی، اس لئے کہ وہ لباس یا تو باریک بہت ہے یا بہت چست ہے جس کے نتیجے میں جسم ظاہر ہو رہا ہے۔

لباس کے دو مقصد

قرآن کریم نے فرمایا:

يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ قَدْ اَنْزَلْنَا عَلَيْكُمْ لِبَاسًا يُّوَارِىْ سَوْاٰتِكُمْ وَرِيْشًا۔ (سورۃ الاعراف: آیت نمبر ۲۶)

قران کریم نے اس آیت میں لباس کے دو مقصد بیان فرمائے ہیں، ایک یہ کہ وہ تمہارے ستر کو چھپائے اور دوسرے یہ کہ وہ تمہارے لئے زینت کا سبب ہو۔ آج کی دنیا نے لباس کا پہلا مقصد ختم کر دیا، وہ چست لباس جس سے انسان کا ستر ظاہر ہو، وہ لباس شرعی اعتبار سے لباس کے اصل مقصد کو فوت کر رہا ہے، اس لئے ایسا لباس پہننا جائز نہیں۔ آج مردوں نے بھی ایسا لباس اپنالیا ہے اور عورتوں نے بھی ایسا لباس اپنالیا ہے کہ لباس پہننے کے باوجود شرم والے حصے نمایاں ہو رہے ہیں اور لباس کا مقصد ہی فوت ہو رہا ہے۔ بہرحال! شریعت نے عورت کو پہلا حکم یہ دیا ہے کہ ایسا چست اور ایسا تنگ اور باریک لباس نہ پہنے جس کے اندر سے اس کا جسم جھلکے، اس لئے کہ سوائے چہرے اور ہاتھوں کے پورا جسم عورت کا ستر قرار دیا گیا ہے۔

باہر نکلنے کے وقت عورت کی ہیئت کیا ہو؟

دوسرا حکم یہ دیا ہے کہ جب وہ گھر سے باہر نکلے یا نامحرم مردوں کے

سامنے آئے تو اس وقت اس کے پورے جسم پر کوئی چیز ہونی چاہئے، چاہے وہ چادر ہو یا برقع ہو جو اس کے پورے جسم کو ڈھانپ رہا ہو، تاکہ وہ لوگوں کے لئے فتنے کا باعث نہ بنے اور اس کے ذریعے معاشرے کے اندر فتنہ نہ پھیلے۔ اور ایک حکم یہ بھی دیا ہے کہ کوئی خاتون ایسا زیور پہن کر گھر سے باہر نہ نکلے جو بجنے والے ہوں، کیونکہ اس کی آواز سے لوگوں کی توجہ اس کی طرف مبذول ہوگی۔ اور ایک حکم یہ بھی دیا ہے کہ کوئی خاتون خوشبو لگا کر گھر سے باہر نہ نکلے، کیونکہ خوشبو کے ذریعہ لوگوں کی توجہ اس کی طرف ہوگی۔ حدیث شریف میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب کوئی خاتون خوشبو لگا کر گھر سے باہر نکلتی ہے تو شیطان اس کی تاک جھانک میں لگ جاتا ہے۔

چہرہ کا پردہ ہے

بعض لوگ یہ کہتے ہیں کہ باقی جسم کا پردہ تو ہے لیکن چہرے کا پردہ نہیں ہے۔ خوب اچھی طرح سمجھ لیں کہ اوّل تو چہرے کا پردہ ہے، قرآن کریم نے عورتوں سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا:

يُدْ نِيْنَ عَلَيْهِنَّ مِنْ جَلاَ بِيْبِهِنَّ ۔ (سورۃ الاحزاب: آیت ۶۹)

اس آیت میں ''جَلاَ بِيْبَ'' کا لفظ اختیار فرمایا ہے، یہ جمع ہے ''جِلْبَاب'' کی اور ''جِلْبَاب'' اس چادر کو کہا جاتا ہے جو سر سے لے کر پاؤں تک پورے جسم کو ڈھانپ لے۔ اس میں اور ''برقع'' میں فرق صرف یہ ہے کہ ''برقع'' سلا ہوا ہوتا ہے اور جلباب سلی ہوئی نہیں ہوتی اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں خواتین ''جلباب'' ہی استعمال کیا کرتی تھیں۔ اس

آیت میں فرمایا کہ ''آپ تمام مؤمن عورتوں سے کہہ دیجئے کہ وہ اپنی جلبابیں اپنے اوپر جھکا لیں'' اس آیت میں ''جھکانے'' کا حکم دیا ہے، تاکہ عورت کے چہرے کو اس طرح منظر عام پر نہ لایا جائے جو فتنے کا سبب بنے۔ لہٰذا اوّل تو چہرے کا پردہ ہے اور قرآن کریم کے حکم کے مطابق ہے۔

یہ پردہ سے آزاد ہونا چاہتے ہیں

لیکن میں کہتا ہوں کہ جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ چہرے کا پردہ نہیں ہے، وہ لوگ درحقیقت پردہ ہی سے اپنے کو آزاد کرنا چاہتے ہیں، کیونکہ جو لوگ چہرے کے پردے کا انکار کرتے ہیں، انہوں نے آج تک کبھی ان عورتوں پر نکیر نہیں کی کہ جو باہر نکلتی ہیں تو ان کا چہرہ تو درکنار بلکہ ان کا سینہ کھلا ہوا ہوتا ہے، ان کا گلا کھلا ہوا ہوتا ہے، ان کے بازو کھلے ہوئے ہوتے ہیں، ان کی پنڈلیاں کھلی ہوئی ہوتی ہیں اور ان خواتین نے ایسا چست اور تنگ لباس پہنا ہوا ہوتا ہے جو فتنے کا سبب ہے، لیکن یہی لوگ ایسی خواتین پر کوئی نکیر نہیں کرتے، ہاں! اس مسئلے پر بحث کرنے کے لئے تیار ہیں کہ چہرے کا پردہ ہے یا نہیں۔

مرد و عورت کا فرق ختم ہو چکا

آج معاشرے میں چاروں طرف جو فساد پھیلا ہوا ہے، اس فساد کی ایک بڑی وجہ یہ ہے کہ قرآن کریم کے ان احکام سے روگردانی کی جا رہی ہے، قرآن کریم کے ان احکام کو پس پشت ڈالا جا رہا ہے، ہر معاملے میں تقلید کرنی ہے تو مغرب کی تقلید کرنی ہے، اگر نقل اتارنی ہے تو مغربی ملکوں کی نقل اتارنی

ہے، وہاں مرد و عورت کا کوئی امتیاز ہی نہیں رہا اور اس درجہ امتیاز ختم ہو چکا ہے کہ بعض اوقات یہ پہچاننا مشکل ہوتا ہے کہ سامنے سے آ رہا ہے یا آ رہی ہے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ لعنت ہے ان مردوں پر جو عورتوں کی مشابہت اختیار کریں اور لعنت ہے ان عورتوں پر جو مردوں کی مشابہت اختیار کریں۔ اللہ تعالیٰ نے دو الگ الگ صنفیں بنائی ہیں، ان کے درمیان فرق ہونا چاہئے، امتیاز ہونا چاہئے اور پتہ چلنا چاہئے کہ یہ مذکر ہے یا مؤنث، مرد ہے یا عورت، لیکن آج کی اس نئی تہذیب نے یہ امتیاز ہی ختم کر دیا ہے کہ مرد ہے یا عورت۔

ہم مغرب کی تقلید میں

مغربی ممالک جس راستے پر جا رہے ہیں، اسی راستے پر ہم بھی چل پڑے ہیں اور جس طرح وہاں مرد و عورت کا آزادانہ اختلاط ہے، ہر ہر قدم پر مرد اور عورت گھلے ملے ہیں اور دونوں میں کوئی امتیاز نہیں، وہی حال ہمارے یہاں ہو رہا ہے، ہماری شادیوں کی دعوتوں میں بھی خواتین بن سنور کر، بناؤ سنگھار کے ساتھ، زیب و زینت کے ساتھ آتی ہیں اور آنے کا بڑا مقصد اپنے لباس اور اپنے زیور کی نمائش ہوتی ہے اور ان دعوتوں میں مرد و عورت کا مخلوط اجتماع ہوتا ہے، ایک زمانہ وہ تھا جب مردوں کی نشست الگ ہوتی تھی، عورتوں کی نشست الگ ہوتی تھی، اب وہ قصہ ہی ختم ہوگیا، اب تو شادی بیاہ کی تقریبات میں مرد و عورت آزادانہ ایک دوسرے سے مل رہے ہیں، ایک دوسرے کو دیکھ رہے ہیں، اس کے نتیجے میں معاشرے کے اندر جو فساد پھیل رہا

ہے، وہ ہر شخص دیکھ سکتا ہے، دن رات گھروں میں لڑائیاں ہیں، فتنے ہیں اور ناجائز تعلقات قائم ہو رہے ہیں۔

بے پردگی کا سیلاب آ رہا ہے

یہ سب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات سے بغاوت کا نتیجہ ہے، کیونکہ قرآن کریم کہہ رہا ہے کہ عفت اختیار کرو، عصمت اختیار کرو، پاکدامن بنو، لیکن ہمارا حال یہ ہے کہ ان چیزوں کو حاصل کرنے کے لئے جو راستے شریعت نے بتائے ہیں، ان میں سے جو ایک اہم راستہ ''پردہ'' کا تھا، وہ ہم نے چھوڑ دیا ہے۔ اور بے پردگی کا یہ سیلاب پچھلے تقریباً سو سال سے امڈا ہے، ورنہ اس سے پہلے اس بات کا تصور تک نہیں تھا کہ مسلمان عورت بے پردہ ہو کر باہر نکلے گی۔ اور پردہ کا یہ سلسلہ صدیوں سے چلا آ رہا تھا، لیکن جب انگریز کے اقتدار کا زمانہ آیا تو اس نے لوگوں کو یہ باور کرانے کی کوشش کی کہ مہذب ہونے، تعلیم یافتہ ہونے اور موڈرن ہونے کی ایک نشانی یہ ہے کہ عورت بے پردہ ہو، اس وقت سے ہمارے معاشرے میں بے پردگی شروع ہوئی اور جب یہ بے پردگی شروع ہوئی تھی، اس وقت اِکاّ دکاّ خواتین نے پردہ چھوڑا تھا، بیشتر خواتین پھر بھی پردے سے رہتی تھیں، لیکن رفتہ رفتہ بے پردگی کی مقدار بڑھتی چلی گئی۔ اس وقت اکبر الٰہ آبادی نے کہا تھا کہ:

بے پردہ نظر آئیں کل جو چند بیبیاں
اکبر غیرت قومی سے زمین میں گڑ گیا
پوچھا جو ان سے پردہ تمہارا وہ کیا ہوا؟
کہنے لگیں: عقل پر مردوں کی پڑ گیا

عورت کی عقل پر پردہ

اکبر مرحوم نے بڑی حقیقت کی بات بیان کی کہ درحقیقت یہ پردہ جو عورت کا تھا، مرد کی عقل پر پڑ گیا، لیکن میں کہوں گا کہ عورت کی عقل پر زیادہ پڑ گیا، اس لئے کہ وہ مغرب کے فریب اور دھوکہ میں آ گئی اور اپنی عقل سے کچھ نہیں سوچا کہ میرے لئے کیا مفید ہے اور کیا نقصان دہ ہے۔ سب سے زیادہ فراڈ تو اس عورت کے ساتھ کھیلا گیا اور سب سے زیادہ پردہ تو اسی کی عقل پر پڑا کہ اس نے اپنے عفت و عصمت کا مقام چھوڑ کر اور عزت و احترام کا مقام چھوڑ کر اپنے آپ کو ایک بکاؤ مال بنا دیا۔

پروپیگنڈے کا اثر

اللہ بچائے، یہ پروپیگنڈہ ایسی چیز ہے جو جھوٹ کو سچ بنا دیتا ہے، چنانچہ پردہ کے معاملے میں پروپیگنڈے کے ذریعے جھوٹ کو ایسا سچ بنایا گیا ہے کہ آج مرد و عورت سب اس جھوٹ کے فریب کے اندر مبتلا ہیں، آج مغربی قوم کا یہ وتیرہ ہوگیا ہے کہ پروپیگنڈے کے زور پر جس جھوٹ کو چاہے سچ بنا کر دکھا دے، اس جھوٹے پروپیگنڈے نے سارا نظام تلپٹ کر کے رکھ دیا ہے۔

کیا آدھی آبادی بیکار ہو جائے گی؟

آج ایک اور اعتراض یہ کیا جاتا ہے کہ اگر عورت کو پردے میں بٹھا دیا تو ملک کی آدھی آبادی کو آپ نے بیکار چھوڑ دیا جس کا کوئی مصرف نہیں، آج یہ بات بڑے زور و شور سے کہی جا رہی ہے۔ پہلی بات تو یہ ہے کہ اگر یہ بات

اس ملک میں کہی جاتی جہاں روزگار کی شرح سو فیصد ہوتی اور جتنے لوگ کام کرنے والے ہیں، سب برسرروزگار ہوتے، تب تو یہ بات اچھی معلوم ہوتی، لیکن جس ملک میں بڑے بڑے ڈاکٹر، پی ایچ ڈی اور ماسٹر کی ڈگریاں رکھنے والے، بی اے کی ڈگریاں رکھنے والے جوتیاں چٹخاتے پھر رہے ہیں، وہاں جو مرد تعلیم یافتہ ہیں ان کو تو تم نے ابھی تک روزگار فراہم کیا نہیں، اور پھر یہ کہتے ہیں کہ عورت کو پردے میں رکھنے کی وجہ سے آدھی آبادی بیکار ہو جائے گی۔

کام وہ ہے جس سے پیسہ حاصل ہو

اور پھر ان کا یہ کہنا کہ ''آدھی آبادی بیکار ہو جائے گی'' اس کا مطلب یہ ہے کہ ان کے نزدیک کام وہ ہے جس کے ذریعہ پیسہ حاصل ہو، لیکن اگر کوئی شخص خاندانی نظام کو درست کرنے کے لئے اور گھر کے ماحول کو پاکیزہ بنانے کے لئے کام کر رہا ہے، تو وہ ان کے نزدیک کوئی کام نہیں ہے، حالانکہ گھر کے ماحول کو سدھارنا اور فیملی سسٹم کو برقرار رکھنا، ایک بہت بڑا کام ہے جو ایک عورت کر رہی ہے، لہٰذا وہ ایک عظیم فریضہ انجام دے رہی ہے اور بہت بڑا کردار ادا کر رہی ہے جس کے نتیجے میں ایک بہترین معاشرہ وجود میں آتا ہے۔

اب بھی ہوش میں آجائیں

بہرحال! میری گزارش یہ ہے کہ خدا کے لئے اب بھی ہمیں ہوش آجائے۔ الحمدللہ ہمارا ملک ابھی اس درجے پر نہیں پہنچا جہاں سے واپسی ممکن

نہ ہو، اللہ تعالیٰ کا فضل و کرم ہے کہ اس دور میں بھی آپ دیکھ رہے ہیں کہ وہ فضا رفتہ رفتہ بدل رہی ہے، مختلف دعوتی کاموں کی بنیاد پر لوگوں کو کچھ ہوش آ رہا ہے۔ تبلیغی جماعت کی کوششوں کی بنیاد پر علماء کی اصلاحی مجالس کی بنیاد پر الحمدللہ خواتین میں یہ شعور پیدا ہو رہا ہے کہ ہم انگریز عورتیں نہیں ہیں، ہم مغرب کی پروردہ عورتیں نہیں ہیں، بلکہ ہم مسلمان عورتیں ہیں اور مسلم معاشرے کی پیداوار ہیں، اور ان کے اندر اپنی عفت اور عصمت کی حفاظت کا شعور پیدا ہو رہا ہے اور وہ پردے کی طرف لوٹ رہی ہیں۔ کچھ عرصہ پہلے بے پردگی کا فساد برپا ہوا تھا کہ بازار میں برقع نظر ہی نہیں آتا تھا، اب الحمدللہ برقعے نظر آ رہے ہیں اور خواتین پردے کی طرف آ رہی ہیں، اس لئے ابھی ماحول ایسا بگڑا نہیں ہے کہ اس سے واپسی کی توقع نہ ہو۔

عقلوں پر سے یہ پردہ اٹھالیں

لیکن جیسا کہ اکبر الٰہ آبادی نے کہا تھا کہ مردوں کی عقلوں پر پردہ پڑ چکا ہے، اگر مرد حضرات اپنی عقلوں سے یہ پردہ اٹھالیں اور وہ اپنے گھر کے ماحول میں شریعت کے ان احکام کی پابندی کرائیں تو انشاء اللہ یہ فضا بدل جائے گی اور اللہ تعالیٰ کی رحمت سے فلاح کا جو وعدہ قرآن کریم نے کیا ہے، وہ حاصل ہو جائے گا۔ اللہ مجھے اور آپ سب کو اس پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

وَآخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

✿✿✿

امانت کی اہمیت

شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہم

ضبط و ترتیب
محمد عبداللہ میمن

میمن اسلامک پبلشرز
۱/۱۸۸، لیاقت آباد، کراچی ۱۹

مقام خطاب : جامع مسجد بیت المکرّم
گلشن اقبال کراچی

وقت خطاب : بعد نماز عصر تا مغرب

اصلاحی خطبات : جلد نمبر : ۱۵

بِسْمِ اللّٰہ الرَّحمٰنِ الرَّحِیْم ط

امانت کی اہمیت

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ نَحْمَدُہٗ وَ نَسْتَعِیْنُہٗ وَ نَسْتَغْفِرُہٗ وَ نُؤْمِنُ بِہٖ وَ نَتَوَکَّلُ عَلَیْہِ وَنَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَیِّئَاتِ اَعْمَالِنَا ۔ مَنْ یَّھْدِہِ اللّٰہُ فَلاَ مُضِلَّ لَہٗ وَ مَنْ یُّضْلِلْہُ فَلاَ ھَادِیَ لَہٗ وَاَشْھَدُ اَنْ لَّا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْکَ لَہٗ وَ اَشْھَدُ اَنَّ سَیِّدَنَا وَنَبِیَّنَا وَ مَوْلَا نَا مُحَمَّداً عَبْدُہٗ و رَسُوْلُہٗ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَ عَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَبَارَکَ وَ سَلَّمَ تَسْلِیْماً کَثِیْراً۔

أَمَّا بَعْدُ ! فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ ○ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ○ قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ ○ اَلَّذِیْنَ ھُمْ فِیْ صَلاَتِھِمْ خٰشِعُوْنَ ○ وَ الَّذِیْنَ ھُمْ عَنِ اللَّغْوِ مُعْرِضُوْنَ ○ وَالَّذِیْنَ ھُمْ لِلزَّکٰوۃِ فٰعِلُوْنَ ○ وَ الَّذِیْنَ ھُمْ لِفُرُوْجِھِمْ حٰفِظُوْنَ ○ اِلَّا عَلٰی اَزْوَاجِھِمْ اَوْمَا مَلَکَتْ اَیْمَانُھُمْ فَاِنَّھُمْ غَیْرُ مَلُوْمِیْنَ ○ فَمَنِ ابْتَغٰی وَرَآءَ ذٰلِکَ فَاُولٰئِکَ ھُمُ الْعٰدُوْنَ ○ وَ الَّذِیْنَ ھُمْ لِاَ مَانَاتِھِمْ وَ عَھْدِھِمْ رَاعُوْنَ ○

(سورۃالمؤمنون ۱ تا ۸)

آمنت با اللّٰہ صدق اللّٰہ مولانا العظیم و صدق رسولہ النبی الکریم و

نحن علی ذلک من الشاھدین والشاکرین والحمد للہ رب العٰلمین ،

تمہید

بزرگان محترم وبرادران عزیز :سورۃ المومنون کی ان ابتدائی آیتوں کا بیان کئی مہینوں سے چل رہا ہے۔ یہ وہ آیتیں ہیں جن میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے فلاح پانے والے مؤمنو کی صفات بیان فرمائی ہیں، پہلی صفت یہ بیان فرمائی کہ وہ اپنی نمازوں میں خشوع اختیار کرنے والے ہیں، دوسری صفت یہ بیان فرمائی کہ وہ لغواور بے ہودہ کاموں اور باتوں سے اعراض کرنے والے ہیں، تیسری صفت یہ بیان فرمائی کہ وہ زکاۃ انجام دیتے ہیں، اس کے دو معنٰی عرض کیے تھے، ایک یہ کہ وہ لوگ زکاۃ کا فریضہ انجام دیتے ہیں، اور دوسرے یہ کہ وہ اپنے اخلاق کا تزکیہ کرتے ہیں، چوتھی صفت یہ بیان فرمائی کہ وہ اپنی شرم گاہوں کی حفاظت کرنے والے ہیں، یعنی اپنی عفت اور عصمت کا تحفظ کرنے والے ہیں، اس صفت کا بیان پچھلے پانچ چھ جمعوں میں ہوتا رہا ہے۔

امانت اور عہد کا پاس رکھنا

اس سے اگلی صفت یہ بیان فرمائی کہ وہ لوگ اپنی امانتوں اور اپنے عہد کا پاس رکھنے والے ہیں، آج اس آیتِ کریمہ کا بیان اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے شروع کرنے کا ارادہ ہے۔ یعنی ایک مؤمن کی دنیا وآخرت دونوں کی فلاح کے لئے یہ ضروری ہے کہ وہ اپنی امانت کا پاس رکھے اور اپنے عہد کا پاس رکھے، قرآن کریم میں یہ دونوں چیزیں الگ الگ بیان فرمائی ہیں، ایک امانت اور ایک عہد۔ مؤمن کی علامت یہ ہے کہ وہ امانتوں کا پاس کرنے والا ہے، اور اپنے عہد کو پورا کرنے والا ہے۔

امانت قرآن و حدیث میں

ان میں سے پہلی چیز ''امانت'' ہے،اور فلاح کے لیے یہ ضروری قرار دیا گیا کہ انسان امانت میں کوئی خیانت نہ کرے، بلکہ امانت کو ٹھیک ٹھیک اس کے اهل تک پہنچائے،قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُكُمْ اَنْ تُؤَدُّوا الْاَمَانَاتِ اِلٰى اَهْلِهَا

(النساء:۵۸)

یعنی اللہ تعالیٰ تمہیں حکم دیتے ہیں کہ امانتوں کوان کے مستحق لوگوں تک پہنچاؤ۔ قرآن وحدیث میں اس کی بڑی تاکید وارد ہوئی ہے۔ایک حدیث میں رسول کریم ﷺ نے ارشادفرمایا:

ثلاث من کن فیه کان منا فقاً خالصاً اذاحدث کذب واذا وعداخلف وَاذا اؤتمن خان۔

(بخاری۔کتاب الایمان،باب علامات المنافق)

یعنی تین چیزیں ایسی ہیں کہ اگر وہ کسی انسان میں پائی جائیں تو وہ خالص منافق ہے۔ پہلی یہ ہے کہ جب وہ بات کرے تو جھوٹ بولے، دوسری یہ کہ جب وہ کسی سے وعدہ کرے تو وعدے کی خلاف ورزی کرے،اور جب اس کے پاس کوئی امانت رکھوائی جائے یا جب اس کو کسی چیز کا امانت دار بنایا جائے تو وہ اس میں خیانت کرے۔ یہ منافق کی علامات ہیں، مؤمن کا کام نہیں۔اس لئے اس کی بڑی تاکید وارد ہوئی ہے۔

امانت اٹھ چکی ہے

آج ہمارے معاشرے میں یہ خیانت پھیل گئی ہے، نبی کریم ﷺ کا وہ ارشاد

ہمارے اس دور پر صادق آرہا ہے جس میں آپ نے فرمایا تھا کہ ایک وقت ایسا آجائے گا کہ امانت دنیا سے اٹھ جائے گی، اور لوگ کہا کریں گے کہ فلاں ملک میں فلاں شہر میں فلاں بستی میں ایک شخص رہتا ہے، وہ امانت دار ہے۔ یعنی امانت دار لوگ ختم ہو جائیں گے، سب خائن ہو جائیں گے، اور اکا دُکا لوگ ہوں گے جو امانت کا پاس رکھنے والے ہونگے۔ ایک مؤمن کی خاصیت یہ ہے کہ وہ خیانت نہیں کرتا۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا امین ہونا

نبی کریم ﷺ نبوت سے پہلے بھی پورے مکہ میں "صادق" اور "امین" کے لقب سے مشہور تھے، یعنی آپ سچے تھے، آپ کی زبان پر کبھی جھوٹ نہیں آتا تھا، آپ امانت دار تھے، جو لوگ آپ کے پاس امانت رکھواتے تھے ان کو پورا بھروسہ ہوتا تھا کہ نبی کریم ﷺ اس امانت کا حق ادا کریں گے۔ چنانچہ جب آپ مکہ مکرمہ سے ہجرت فرما رہے تھے، اس وقت یہ عالم تھا کہ کفار نے ظلم وستم کے پہاڑ توڑے ہوئے تھے، آپ کے خلاف قتل کے منصوبے بنائے جارہے تھے، اس حالت میں رات کے وقت آپ کو اپنے شہر مکہ مکرمہ سے نکلنا پڑا۔ اس وقت بھی آپ کو یہ فکر تھی کہ میرے پاس لوگوں کی جو امانتیں رکھیں ہوئیں ہیں، ان کو اگر پہنچاؤں گا تو یہ راز کھل جائے گا کہ میں یہاں سے جارہا ہوں تو آپ نے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ساری امانتیں سپرد فرمائیں، اور ان کو اپنے بستر پر لٹایا، اور ان سے فرمایا کہ میں جارہا ہوں، تم یہ امانتیں ان کے مالکوں تک پہنچاؤ، اور جب اس کام سے فارغ ہو جاؤ تو پھر ہجرت کر کے مدینہ منورہ آجانا۔ اور وہ امانتیں صرف مسلمانوں کی نہیں تھیں، بلکہ کافروں کی بھی تھیں، وہ کافر جو آپ کے خون کے پیاسے تھے، جو آپ کے ساتھ دشمنی کا معاملہ کررہے تھے، ان کی

امانتوں کو بھی ان تک واپس پہنچانے کا انتظام فرمایا۔

غزوہ خیبر کا ایک واقعہ

غزوہ خیبر کے موقع پر جب نبی کریم ﷺ نے خیبر کے قلعوں کا محاصرہ کیا ہوا تھا، خیبر میں یہودی آباد تھے، اوران کی خصلت شروع ہی سے سازشی ہے، مسلمانوں کے خلاف سازشوں کے جال بنتے رہتے تھے، اور خیبران کی سازشوں کا مرکز بنا ہوا تھا، نبی کریم ﷺ نے ان کی سازشوں سے امت مسلمہ کو بچانے کے لئے خیبر شہر کا محاصرہ کیا۔ یہ شہر کئی قلعوں پر مشتمل تھا، یہودی اس محاصرے کے دوران شہر کے اندر بند تھے، اور نبی کریم ﷺ کی فوجوں نے اس کا محاصرہ کیا ہوا تھا۔

اسود چرواہا

جب محاصرے کو چند دن گزر گئے تو ایک چرواہا جس کا نام روایتوں میں ''اسود'' آتا ہے۔ جو لوگوں کی بکریاں چرایا کرتا تھا۔ وہ بکریوں کو چرانے کی خاطر قلعے سے باہر نکلا، باہر نکل کر اس نے دیکھا کہ نبی کریم ﷺ کا لشکر محاصرہ کئے ہوئے ہے، اس چرواہے کے دل میں خیال آیا کہ میں جا کر دیکھوں کہ یہ کون لوگ ہیں؟ اور کیا ان کا پیغام ہے؟ یہ لوگ کیا چاہتے ہیں؟ ان کی دعوت کیا ہے؟ چنانچہ وہ اپنی بکریوں کو چراتے ہوئے لشکر کے قریب آ گیا۔ اور لشکر والوں سے پوچھنے لگا کہ آپ کا بادشاہ کہاں ہے؟ صحابہ کرامؓ نے جواب دیا کہ ہمارے یہاں بادشاہ تو کوئی نہیں ہے، البتہ نبی کریم ﷺ اللہ کے رسول ہیں۔ اوران کی قیادت میں ہم لوگ یہاں آئے ہیں۔ وہ ہمارے قائد ہیں۔ اس چرواہے نے کہا کہ کیا میں ان کو دیکھ سکتا ہوں؟ صحابہ کرامؓ نے فرمایا کیوں نہیں دیکھ

سکتے ؟ چرواہے نے پوچھا کہ ان کا محل کہاں ہے؟ صحابہ کرامؓ نے فرمایا کہ ان کا کوئی محل نہیں ہے، وہ سامنے کھجور کے پتوں کا چھپر ہے، اس کے اندر وہ تشریف فرما ہیں، جاؤ، اور جاکر ان سے مل لو۔ اس چرواہے نے کہا کہ میں جاکر بادشاہ سے مل لوں؟ میں تو ایک غلام آدمی ہوں، سیاہ فام ہوں، میری رنگت کالی ہے، بکریاں چراتا ہوں، میں کسی بادشاہ سے کیسے مل سکتا ہوں؟ ۔صحابہ کرامؓ نے جواب دیا کہ ہمارے نبی کریم ﷺ کو کسی سے ملنے میں کوئی عار نہیں ہے چاہے وہ کیسا بھی آدمی ہو۔

حضور سے مکالمہ

چنانچہ وہ چرواہا حیرت کے عالم میں نبی کریم ﷺ کے خیمے میں پہنچ گیا، اور اندر جاکر سرکار دو عالم ﷺ جلوہ جہاں آرا کی زیارت کی سعادت حاصل کی۔ اس چرواہے نے حضور اقدس ﷺ سے پوچھا کہ آپ کیوں آئے ہیں؟ آپ کی دعوت کیا ہے؟ رسول کریم ﷺ نے فرمایا کہ میں اللہ کا بھیجا ہوا پیغمبر ہوں، اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے توحید کا پیغام لیکر آیا ہوں کہ اس کائنات میں اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، اس لئے صرف اللہ کی عبادت کی جائے، یہی میری بنیادی دعوت ہے، اس چرواہے نے کہا کہ اگر میں اس دعوت کو قبول کرلوں اور اللہ کے سوا ہر معبود کا انکار کردوں تو میرا انجام کیا ہوگا؟ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مرنے کے بعد ایک دوسری زندگی آنے والی ہے۔ اور یہ موجودہ زندگی تو عارضی ہے، ناپائیدار ہے، ہر ایک کو اس دنیا سے جانا ہے، اور مرنے کے بعد جو زندگی ملے گی وہ دائمی اور ابدی ہوگی، اور اس کی کوئی انتہا نہیں۔ اس ابدی زندگی میں اللہ تعالیٰ تمھیں بہت اعلیٰ مقام عطا فرمائیں گے۔

اوراسود مسلمان ہو گیا

پھر چرواہے نے سوال کیا کہ اچھا اگر میں مسلمان ہو گیا تو یہ مسلمان مجھے کیا سمجھیں گے؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ وہ تمھیں اپنا بھائی سمجھیں گے، اور تمھیں اپنے سینے سے لگائیں گے، اس چرواہے نے حیرت سے پوچھا کہ مجھے سینے سے لگائیں گے؟ جبکہ میں سیاہ فام آدمی ہوں، اور میرے سینے سے بدبو اٹھ رہی ہے، اس حالت میں کوئی مالدار آدمی مجھے سینے سے لگانے کے لئے تیار نہیں ہے، آپ فرمارہے ہیں کہ یہ مسلمان مجھے گلے لگائیں گے۔ حضور اقدس ﷺ نے فرمایا کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ اگر تم اللہ کی وحدانیت پر ایمان لے آتے ہو تو اللہ تعالیٰ تمھاری بدبو کو خوشبو میں تبدیل کر دیں گے، اور تمھارے چہرے کی سیاہی کو تابناکی میں تبدیل کر دیں گے۔ اس اللہ کے بندے کے دل پر اتنا اثر ہوا کہ اس نے پورا کلمہ پڑھا ؛

"اشهد ان لا اله الا الله واشهد ان محمدا رسول الله"

اور ایمان لے آیا۔

پہلے بکریاں مالکوں تک پہنچاؤ

ایمان لانے کے بعد حضور اقدس ﷺ سے عرض کیا کہ میں ایمان لے آیا ہوں اور اب آپ کے ہاتھ میں ہوں، جو آپ حکم دیں گے اس کو بجالاؤں گا۔ لہٰذا اب آپ مجھے بتائیں کہ میں کیا کروں؟ رسول کریم ﷺ نے فرمایا کہ پہلا کام یہ کرو کہ یہ بکریاں جو تم لیکر آئے ہو، یہ تمہارے پاس ان کے مالکوں کی امانت ہیں، تم اس معاہدے کے تحت یہ بکریاں لائے ہو کہ تم ان کو چراؤ گے، اور چرانے کے بعد ان کو واپس کرو گے۔

لہٰذا پہلا کام یہ کرو کہ ان بکریوں کو واپس لے جاؤ، اور خیبر کے اندر لے جا کر ان کے مالکوں تک پہنچا آؤ۔

سخت حالات میں امانت کی پاسداری

ذرا اندازہ لگایئے کہ حالتِ جنگ ہے، اور دشمن کے قلعے کا محاصرہ کیا ہوا ہے، اور جنگ کی حالت میں نہ صرف یہ کہ دشمن کی جان لینا جائز ہو جاتا ہے، بلکہ جنگ کی حالت میں اس کے مال پر بھی قبضہ کر لینا جائز ہو جاتا ہے، ساری دنیا کا یہی قانون ہے۔ اور اس وقت مسلمانوں کے پاس کھانے کی کمی تھی، اور کھانے کی کمی کا یہ عالم تھا کہ اس غزوہ خیبر کے موقع پر بعض صحابہ کرامؓ نے مجبور ہو کر گدھے ذبح کر کے ان کا گوشت پکا کر کھانے کی کوشش کی، بعد میں حضور اقدس ﷺ نے منع فرمایا کہ گدھے کا گوشت کھانا جائز نہیں ہے، چنانچہ گدھے کے گوشت کی پکی ہوئی دیگیں الٹی گئیں۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ صحابہ کرامؓ کس حالت میں تھے، لیکن چونکہ وہ چرواہا ایک معاہدے کے تحت وہ بکریاں لے کر آیا تھا، اس لئے حضور اقدس ﷺ نے فرمایا کہ پہلے وہ بکریاں واپس کرو۔ اس کے بعد میرے پاس آنا۔

تلوار کے سائے میں عبادت

چنانچہ وہ چرواہا قلعے کے اندر گیا، اور قلعے کے اندر بکریاں چھوڑیں، اور پھر حضور اقدس ﷺ کی خدمت میں آ کر عرض کیا کہ یا رسول اللہ اب کیا کروں؟ اب صورتِ حال یہ تھی کہ نہ تو اس وقت کسی نماز کا وقت تھا کہ آپ اس کو نماز کا حکم دیتے، نہ رمضان کا مہینہ تھا کہ آپ اس کو روزے کا حکم دیتے۔ اور نہ وہ اتنا مالدار تھا کہ اس کو زکاۃ کا حکم

دیتے، نہ حج کا موسم تھا کہ اس سے حج کرایا جاتا۔ حضور اقدس ﷺ نے فرمایا کہ اس وقت تو ایک عبادت ہو رہی ہے، جو تلواروں کے سائے میں انجام دی جا رہی ہے وہ ہے جہاد فی سبیل اللہ۔ لہٰذا تم اس جہاد میں شامل ہو جاؤ اس چرواہے نے کہا کہ اگر میں اس جہاد میں شامل ہو گیا تو اس میں امکان یہ بھی ہے کہ میں مر جاؤں۔ اگر میں مر گیا تو میرا کیا ہوگا؟ حضور اقدس ﷺ نے فرمایا کہ میں تم سے وعدہ کرتا ہوں کہ اگر تم شہید ہو گئے تو اللہ تعالیٰ تمہارے چہرے کی سیاہی کو سفیدی میں تبدیل فرما دیں گے، اور تمہارے بدن کی بدبو کو خوشبو سے تبدیل کر دیں گے۔ چنانچہ وہ اللہ کا بندہ جہاد میں شامل ہو گیا، اور مسلمانوں کی طرف سے لڑا، اور شہید ہو گیا۔

جنت الفردوس میں پہنچ گیا

جب غزوہ خیبر ختم ہوا تو رسول کریم ﷺ میدانِ جنگ کا جائزہ لینے کے لئے باہر نکلے ہوئے تھے، ایک جگہ دیکھا کہ صحابہ کرامؓ کا ہجوم ہے، آپ قریب پہنچے اور پوچھا کیا بات ہے؟ صحابہ کرامؓ نے عرض کیا کہ جو لوگ اس جہاد میں شہید ہوئے ہیں، اس میں ہمیں ایک لاش نظر آ رہی ہے جو ہم نے پہلے کبھی نہیں دیکھی، اس آدمی سے ہم لوگ واقف نہیں ہیں۔ اسلئے سب آپس میں رائے زنی کر رہے ہیں کہ یہ کون آدمی ہے؟ اور کس طرح شہید ہوا ہے؟ حضور ﷺ نے فرمایا کہ مجھے دکھاؤ، آپ نے دیکھا تو یہ وہی اسود چرواہا تھا، نبی کریم ﷺ نے صحابہ سے فرمایا کہ تم اس کو نہیں پہچانتے، لیکن میں اس کو پہچانتا ہوں۔ یہ وہ شخص ہے جس نے اپنی زندگی میں اللہ کے واسطے ایک سجدہ بھی نہیں کیا، اور جس نے اپنی زندگی میں اللہ کے واسطے ایک پیسہ خرچ نہیں کیا، لیکن میری آنکھیں دیکھ رہی ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اس کو سیدھا جنت الفردوس میں پہنچا دیا ہے، اور میری آنکھیں دیکھ رہی ہیں کہ

اللہ تبارک وتعالیٰ نے اس کے جسم کی سیاہی کو سفیدی میں تبدیل فرما دیا ہے، اور اسکے جسم کی بد بو کو مشک وعنبر سے زیادہ حسین خشبو سے تبدیل کر دیا ہے۔

امانت کی اہمیت کا اندازہ لگائیں

اب دیکھئے کہ نبی کریم ﷺ نے عین حالتِ جنگ میں جہاں میدانِ کارزار کھلا ہوا ہے، جہاں لوگ ایک دوسرے کے خلاف جانیں لینے کے لئے تیار ہیں۔ وہاں پر بھی نبی کریم ﷺ نے اس بات کو گوارا نہیں فرمایا کہ یہ چرواہا امانت میں خیانت کرے، اور مسلمان ان بکریوں پر قبضہ کرلیں۔ بلکہ ان بکریوں کو واپس فرمایا، یہ ہے امانت کی اہمیت اور اسکی پاسداری۔ جس کو نبی کریم ﷺ نے اپنے مبارک عمل سے ثابت کیا، لہٰذا امانت میں خیانت کرنا یہ مؤمن کا کام نہیں۔ اسی لئے حدیث شریف میں حضور ﷺ نے فرمایا کہ تین چیزیں ایسی ہیں کہ جب وہ کسی شخص میں پائی جائیں تو وہ پکا منافق ہے، ایک یہ کہ جب بات کرے تو جھوٹ بولے، اور جب وعدہ کرے تو اس وعدے کی خلاف ورزی کرے، اور جب اس کے پاس کوئی چیز امانت رکھوائی جائے تو وہ اس میں خیانت کرے ۔۔۔ یہ تین اوصاف جس انسان میں پائے جائیں گے تو وہ مؤمن نہیں کہلائے گا، بلکہ منافق ہے، اللہ تعالیٰ ہم سب کو امانت کا پاس کرنے کی توفیق عطا فرمائے، اور خیانت سے ہر مسلمان کو بچائے۔ آمین

و آخر دعوانا ان الحمد للہ رب العلمین

امانت کا وسیع مفہوم

شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہم

ضبط و ترتیب
محمد عبداللہ میمن

میمن اسلامک پبلشرز
۱۸۸/۱، لیاقت آباد، کراچی ۱۹

مقام خطاب : جامع مسجد بیت المکرم
گلشن اقبال کراچی

وقت خطاب : بعد نماز عصر تا مغرب

اصلاحی خطبات : جلد نمبر

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْم ط

امانت کا وسیع مفہوم

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ نَحْمَدُہٗ وَ نَسْتَعِیْنُہٗ وَ نَسْتَغْفِرُہٗ وَ نُؤْمِنُ بِہٖ وَ نَتَوَکَّلُ عَلَیْہِ وَنَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَیِّئَاتِ اَعْمَالِنَا ۔ مَنْ یَّھْدِہِ اللّٰہُ فَلاَ مُضِلَّ لَہٗ وَ مَنْ یُّضْلِلْہُ فَلاَ ھَادِیَ لَہٗ وَ اَشْھَدُ اَنْ لَّآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْکَ لَہٗ وَ اَشْھَدُ اَنَّ سَیِّدَنَا وَنَبِیَّنَا وَ مَوْلَانَا مُحَمَّداً عَبْدُہٗ وَ رَسُوْلُہٗ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَ عَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَبَارَکَ وَسَلَّمَ تَسْلِیْماً کَثِیْراً۔

أَمَّا بَعْدُ ! فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ o بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ o قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ o اَلَّذِیْنَ ھُمْ فِیْ صَلَاتِھِمْ خٰشِعُوْنَ o وَ الَّذِیْنَ ھُمْ عَنِ اللَّغْوِ مُعْرِضُوْنَ o وَالَّذِیْنَ ھُمْ لِلزَّکٰوۃِ فٰعِلُوْنَ o وَ الَّذِیْنَ ھُمْ لِفُرُوْجِھِمْ حٰفِظُوْنَ o اِلَّا عَلٰٓی اَزْوَاجِھِمْ اَوْمَا مَلَکَتْ اَیْمَانُھُمْ فَاِنَّھُمْ غَیْرُ مَلُوْمِیْنَ o فَمَنِ ابْتَغٰی وَرَآءَ ذٰلِکَ فَاُولٰئِکَ ھُمُ الْعٰدُوْنَ o وَ الَّذِیْنَ ھُمْ لِاَمَانَاتِھِمْ وَ عَھْدِھِمْ رَاعُوْنَ o

(سورۃ المؤمنون: ۱تا۸)

آمنت باللّٰہ صدق اللّٰہ مولانا العظیم وصدق رسولہ النبی الکریم و نحن علی ذٰلک من الشاھدین و الشاکرین والحمد للّٰہ ربّ العٰلمین

تمہید

بزرگانِ محترم اور برادرانِ عزیز : سورۃ المؤمنون کی ابتدائی آیات کا بیان کافی عرصہ سے چل رہا ہے، ان آیات میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے مؤمنین کی ان صفات کو بیان فرمایا ہے، جن پر ان کی صلاح وفلاح کا دارومدار ہے، ان صفات میں سے اکثر کا بیان پہلے ہو چکا ہے، گذشتہ جمعہ کو ''امانت'' کا بیان شروع کیا تھا کہ مسلمان وہ ہے جو امانت کا پاس کرتا ہے، میں نے یہ عرض کیا تھا کہ امانت میں خیانت کرنا کتنا بڑا جرم اور کتنا بڑا گناہ ہے۔ اور بہت سی امانتیں ایسی ہیں جن کے بارے میں اکثر وبیشتر ہم لوگوں کو یہ خیال نہیں ہوتا کہ یہ بھی امانت ہے، اور ہم لوگ اس میں خیانت کرنا شروع کر دیتے ہیں، اور دل میں کسی جرم اور گناہ کا شعور بھی نہیں ہوتا، جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے اس گناہ سے توبہ اور استغفار کی بھی توفیق نہیں ہوتی۔

ہمارے ذہنوں میں امانت

چنانچہ عام طور سے لوگ امانت کا جو مطلب سمجھتے ہیں، وہ یہ ہے کہ کسی شخص نے اپنے کچھ پیسے یا اپنی کوئی چیز ہمارے پاس لاکر رکھوادی، اور ہم نے اس کو حفاظت سے رکھ دی، اور اس چیز کو خود استعمال نہیں کیا، اور کوئی گڑبڑ نہیں کی، خیانت نہیں کی۔ بس امانت کا یہی مفہوم سمجھتے ہیں، بے شک امانت کا ایک پہلو یہ بھی ہے، لیکن قرآن وحدیث میں جہاں امانت کا لفظ آیا ہے اس معنیٰ اور اس کا مفہوم اس سے کہیں زیاد وسیع ہے۔اور بہت کشادہ ہے، بہت ساری چیزیں اس کے اندر آجاتی ہیں۔

یہ زندگی اور جسم امانت ہیں

سب سے پہلی چیز جو امانت کے اندر داخل ہے، وہ ہماری ''زندگی'' ہے، یہ ہماری زندگی جو ہمارے پاس ہے۔اسی طرح ہمارا پورا جسم سر سے لیکر پاؤں تک یہ امانت ہے، ہم اس جسم کے مالک نہیں، اللہ جل شانہ نے یہ جسم جو ہمیں عطا فرمایا ہے، اور یہ اعضاء جو ہمیں عطا فرمائے ہیں، یہ آنکھیں جس سے ہم دیکھتے ہیں، یہ کان جس سے ہم سنتے ہیں، یہ ناک جس سے ہم سونگھتے ہیں، یہ منہ جس سے ہم کھاتے ہیں، یہ زبان جس سے ہم بولتے ہیں، یہ سب اللہ تعالیٰ کی امانت ہیں، بتاؤ !کیا تم یہ اعضاء کہیں بازار سے خرید کرلائے تھے؟ بلکہ اللہ تعالیٰ نے بغیر کسی معاوضے کے اور بغیر کسی محنت اور مشقت کے پیدا ہونے کے وقت سے ہمیں دیدیے ہیں، اور ہمیں یہ فرمادیا کہ ان اعضاء سے اور ان قوتوں سے لطف اٹھاؤ۔ان اعضاء کو استعمال کرنے کی تمہیں کھلی اجازت ہے۔البتہ ان اعضاء کو ہماری معصیت اور گناہ میں مت استعمال کرنا۔

خودکشی کیوں حرام ہے

چونکہ یہ زندگی یہ جسم اور یہ اعضاء امانت ہیں، اسی وجہ سے انسان کے لئے خودکشی کرنا حرام ہے، اور اپنے آپ کو قتل کردینا حرام ہے، کیوں حرام ہے؟ اسلئے کہ یہ جان اور یہ جسم ہماری اپنی ملکیت ہوتا تو ہم جو چاہتے کرتے، چاہے اس کو تباہ کرتے یا برباد کرتے یا آگ میں جلادیتے۔ لیکن چونکہ یہ جان اور یہ جسم اللہ کی امانت ہے، اسلئے یہ امانت اللہ کے سپرد کرنی ہے، لہٰذا جب اللہ تعالیٰ ہمیں اپنے پاس بلائیں گے، اس وقت ہم جائیں گے، پہلے سے خودکشی کرکے اپنی جان کو ختم کرنا امانت میں خیانت ہے۔

اجازت کے باوجود قتل کی اجازت نہیں

یہی وجہ ہے کہ اگر کوئی شخص دوسرے سے یہ کہدے کہ میں تمھیں اجازت دیتا ہوں کہ تم مجھے قتل کردو، یا میں تمھیں اجازت دیتا ہوں کہ میرا ہاتھ کاٹ لو، میرا پاؤں کاٹ لو۔ کوئی شخص چاہے کتنی ہی اجازت دیدے، اور اسٹامپ پیپر پر لکھ دے کہ میں اس سے کوئی مطالبہ نہیں کروں گا۔ لیکن دوسرے شخص کے لئے اس کی اس پیش کش کو قبول کرنا جائز نہیں، بلکہ حرام ہے، البتہ اگر کوئی شخص دوسرے سے کہے یہ میرے پیسے ہیں تم لیلو، اورتم ان پیسوں کو جو چاہو کرو، تو دوسرے شخص کو یہ حق حاصل ہو جائے گا کہ وہ پیسے لے لے اور جو چاہے کرے۔ لیکن جان لینے اور اعضاء کاٹنے کا حق حاصل نہیں ہوگا، اس سے پتہ چلا کہ یہ جسم اور جان ہمارے پاس اللہ تبارک وتعالیٰ کی امانت ہیں۔ اور جب امانت ہیں تو اس کو اس کام میں استعمال کرنا ہے جس کی مالک اجازت دے، اور اس کام سے ان کو بچانا ہے جس سے مالک ناراض ہو، اور جو مالک کو ناپسند ہو۔

اوقات امانت ہیں

اسی طرح زندگی کے یہ لمحات جو گزر رہے ہیں، اس کا ایک ایک لمحہ اللہ تعالیٰ کی امانت ہے، ان لمحات کو ایسے کام میں صرف کرنا ہے جو دنیا کے لحاظ سے یا آخرت کے لحاظ سے فائدہ مند ہو، اور جو کام اللہ تعالیٰ کے احکام کے مطابق ہو، اگر ان لمحات کو اس کے خلاف کاموں میں خرچ کریں گے تو یہ امانت میں خیانت ہو جائے گی۔

قرآن کریم میں امانت

یہی وہ امانت ہے جس کا ذکر اللہ تعالیٰ نے سورۃ احزاب کے آخری رکوع میں

فرمایا ہے :

اِنَّا عَرَضۡنَا الۡاَمَانَةَ عَلَی السَّمٰوٰتِ وَ الۡاَرۡضِ
وَ الۡجِبَالِ فَاَبَیۡنَ اَنۡ یَّحۡمِلۡنَهَا وَ اَشۡفَقۡنَ مِنۡهَا وَ
حَمَلَهَا الۡاِنۡسَانُ ؕ اِنَّهٗ کَانَ ظَلُوۡمًا جَهُوۡلًا ۙ

(الاحزاب : ۷۲)

فرمایا کہ اس امانت کو ہم نے آسمانوں پر اور زمین پر اور پہاڑوں پر پیش کیا کہ یہ امانت تم اٹھا لو تو ان سب نے اس امانت کے اٹھانے سے انکار کیا کہ نہیں یہ ہمارے بس کا کام نہیں ہے، اور اس امانت کے اٹھانے سے ڈرے، وہ امانت کیا تھی؟ وہ امانت یہ تھی کہ ان سے کہا گیا کہ ہم تمھیں عقل دیں گے، اور سمجھ دیں گے، تمھیں زندگی دیں گے، اور یہ عقل، یہ سمجھ اور یہ زندگی تمھارے پاس ہماری امانت ہوگی، اور ہم تمھیں بتادیں گے کہ فلاں کام میں اس زندگی کو خرچ کرنا ہے، اور فلاں کام میں نہیں کرنا، اگر تم اس زندگی کو ہمارے احکام کے مطابق استعمال کرو گے تو تمھارے لئے جنت ہوگی، اور اگر ہمارے احکام کے خلاف استعمال کرو گے تو تمھارے لئے جہنم ہوگی، اور دائمی عذاب ہوگا۔

آسمان، زمین اور پہاڑ ڈر گئے

جب اس امانت کی پیش کش آسمانوں پہ کی گئی کہ تم یہ امانت اٹھا لو تو آسمانوں نے کہا کہ ہم موجودہ حالت میں بہتر ہیں، اگر یہ امانت ہم نے لے لی تو پتہ نہیں کہ اس کو سنبھال سکیں گے یا نہیں۔ اور اگر نہ سنبھال سکے تو آپ کے فرمان کے مطابق دائمی جہنم کے مستحق ہوں گے، اور ہمیشہ کے لئے ایک عذاب کھڑا ہو جائے گا اس لئے یہ بہتر ہے کہ نہ ہمیں جنت ملے، اور نہ جہنم ملے، اس وقت عافیت سے تو ہیں۔ چنانچہ آسمانوں

نے انکار کر دیا۔

پھر اس امانت کو اللہ تعالیٰ نے زمین پر پیش کیا کہ تو بہت بڑا اور ٹھوس کرہ ہے، تیرے اندر پہاڑ ہیں، سمندر ہیں، درخت، جمادات، نباتات تیرے اندر ہیں، تم یہ امانت لیلو، تو زمیں نے کہا کہ میں اس کے اٹھانے کے قابل نہیں ہوں، اگر یہ امانت میں نے اٹھالی تو خدا جانے میرا کیا حشر بنے گا، لہٰذا اس نے بھی انکار کر دیا۔

اس کے بعد پہاڑوں پر اللہ تعالیٰ نے اس امانت کو پیش کیا کہ تم سخت جان ہو، اور لوگ سخت جان ہونے میں پہاڑوں سے تشبیہ دیتے ہیں، تم یہ امانت اٹھالو، انہوں نے بھی انکار کر دیا کہ ہم یہ امانت نہیں لیتے، موجودہ حالت ہماری بہتر ہے، اور اگر اس آزمائش میں پڑ گئے تو پتہ نہیں کامیاب ہوں گے، یا ناکام ہوں گے، اور اگر ناکام ہوئے تو ہمارے اوپر مصیبت آجائے گی۔

انسان نے امانت قبول کر لی

اس کے بعد ہم نے امانت انسان پر پیش کی کہ تم یہ امانت اٹھالو، حدیث شریف میں آتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے عالمِ ازل میں انسانوں کی تخلیق سے ہزار ہا سال پہلے ان تمام روحوں سے جو قیامت تک پیدا ہونے والی تھیں، ان سب روحوں کو جمع فرمایا، اور ہر روح ایک چھوٹی سی چیونٹی کی شکل میں سامنے آئی، اور اس وقت ان کے سامنے یہ امانت پیش کی کہ آسمان، زمیں اور پہاڑ تو سب اس امانت کے اٹھانے سے انکار کر گئے، تم یہ امانت لیتے ہو؟ اس انسان نے کہا کہ ہاں میں لیتا ہوں، جب انسان نے قبول کر لیا تو یہ امانت اس کے پاس آگئی۔

لہٰذا یہ زندگی امانت ہے، یہ جسم امانت ہے، یہ اعضاء امانت ہیں، اور عمر کا ایک

ایک لمحہ امانت ہے، اب جو اس امانت کا پاس کرے وہ انسان دنیا اور آخرت دونوں جگہ فلاح یافتہ ہے، یہی وہ امانت ہے جس کا ذکر قرآن کریم نے دوسری جگہ فرمایا :

يَا أَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوْا لَا تَخُوْنُوا اللّٰهَ وَ الرَّسُوْلَ
وَتَخُوْنُوْا اَمَانَاتِكُمْ وَ اَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ○

(الانفال : ۲۷)

اے ایمان والو ! اللہ اور اس کے رسول کے ساتھ خیانت نہ کرو کہ تم نے اللہ تعالیٰ سے امانت لی تھی ، اور اللہ کے رسول نے تمہیں اس امانت کے بارے میں بتا دیا تھا، اس امانت کے خلاف خیانت نہ کرو، اور جو امانتیں تمھارے پاس موجود ہیں ان کو ٹھیک ٹھیک استعمال کرو۔ امانت کا سب سے پہلا مفہوم یہ ہے۔

ملازمت کے فرائض امانت ہیں

امانت کا دوسرا مفہوم اس کے علاوہ ہے جس کو عام طور پر لوگ امانت نہیں سمجھتے ہیں، وہ یہ ہے کہ فرض کرو کہ ایک شخص نے کہیں ملازمت اختیار کی ہے، اس ملازمت میں جو فرائض اس کے سپرد کئے گئے ہیں وہ امانت ہیں، ان فرائض کو وہ ٹھیک ٹھیک بجالائے۔اور جن اوقات میں اس کو ڈیوٹی دینے کا پابند کیا گیا ہے، ان اوقات کا ایک ایک لمحہ امانت ہے۔لہٰذا جو فرائض اس کے سپرد کئے گئے ہیں، اگر وہ ان فرائض کو ٹھیک ٹھیک انجام نہیں دیتا، بلکہ کام چوری کرتا ہے تو ایسا شخص اپنے فرائض میں کوتاہی کر رہا ہے، اور امانت میں خیانت کر رہا ہے۔

وہ تنخواہ حرام ہوگئی

مثلاً ایک شخص سرکاری دفتر میں ملازم ہے، اور اس کو اس کام پر لگایا گیا ہے کہ

جب فلاں کام کے لئے لوگ تمھارے پاس آئیں تو تم ان کا کام کر دینا۔ یہ کام اس کے ذمہ ایک فریضہ ہے جسکی وہ تنخواہ لے رہا ہے، اب کوئی شخص اس کے پاس اس کام کے لئے آتا ہے، وہ اس کو ٹلا دیتا ہے، اس کو چکر کھلا رہا ہے، تاکہ یہ تنگ آکر مجھے کچھ رشوت دیدے۔ آج کے سرکاری دفتر اس بلا سے بھرے پڑے ہیں، آج سرکاری ملازم جس عہدے پر بھی ہے وہ یہ سمجھتا ہے کہ جو شخص میرے پاس آرہا ہے اس کی کھال اتارنا اور اس کا خون نچوڑنا میرے لئے حلال ہے۔ یہ امانت میں خیانت ہے، اور وہ اس کام کی جو تنخواہ لے رہا ہے، وہ تنخواہ بھی حرام ہوگئی۔ اگر وہ اپنے فرائض ٹھیک انجام دیتا، اور پھر تنخواہ لیتا تو وہ تنخواہ اس کے لئے حلال ہوتی، اور برکت کا سبب ہوتی۔ لہٰذا اس کام کرنے پر جو رشوت لے رہا تھا وہ تو حرام ہی تھی، لیکن اس نے حلال تنخواہ کو بھی حرام کر دیا، اس لئے کہ اس نے اپنے فریضے کو صحیح طور پر انجام نہیں دیا۔

ملازمت کے اوقات امانت ہیں

اسی طرح ملازمت کے لئے یہ طے کیا تھا کہ میں آٹھ (۸) گھنٹے ڈیوٹی دونگا، اب اگر اس آٹھ (۸) گھنٹے کی ڈیوٹی میں سے کچھ چوری کر گیا، اور کچھ وقت اپنے ذاتی کام میں استعمال کر لیا تو جتنا وقت اس نے اپنے ذاتی کام میں استعمال کیا، اس وقت میں اس نے امانت میں خیانت کی، کیونکہ یہ آٹھ (۸) گھنٹے اس کے پاس امانت تھے، اس کے لئے جائز نہیں تھا کہ اس میں اپنا کوئی ذاتی کام کرے، یہ اوقات بک چکے، اب اگر اس وقت میں دوستوں سے باتیں شروع کر دیں یہ امانت میں خیانت ہے۔ اور جتنی دیر یہ خیانت کی اتنی دیر کی تنخواہ اس کے لئے حلال نہیں۔

پسینہ نکلا یا نہیں؟

میں کہا کرتا ہوں کہ آجکل جب لوگ کہیں ملازمت کرتے ہیں یا مزدوری کرتے ہیں تو یہ حدیث بہت یاد رہتی ہے کہ مزدور کو اس کی مزدوری پسینہ خشک ہونے سے پہلے ادا کرو، مگر میں یہ عرض کرتا ہوں کہ یہ بھی تو دیکھو کہ پسینہ نکلا بھی یا نہیں؟ ہمیں پسینہ نکلنے کی تو کوئی فکر نہیں ہے کہ جس کام میں میرا پسینہ نکلنا چاہیے تھا وہ نکلا یا نہیں؟ اور واقعۃً ہم اجرت کے حق دار بنے یا نہیں؟ اس کو تو کوئی نہیں دیکھتا، بس یہ مطالبہ کیا جاتا ہے کہ مزدوری ادا کرو۔ بہرحال! یہ فرائض کی ادائیگی میں کوتاہی، اور یہ اوقات کا چرانا یہ سب امانت میں خیانت ہے، اور اس کے عوض جو پیسے مل رہے ہیں وہ حرام ہیں، وہ انسان اپنے پیٹ میں آگ کے انگارے کھا رہا ہے۔

خانقاہ تھانہ بھون کا اصول

حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی قدس اللہ سرہٗ کی خانقاہ میں اور مدرسہ میں یہ طریقہ تھا کہ استادوں کے لئے گھنٹے مقرر تھے کہ فلاں وقت میں وہ استاد آئیگا، اور فلاں کتاب پڑھائیگا، اور مدرسہ کی طرف کوئی قانون اور ضابطہ مقرر نہیں تھا، مگر ہر شخص کا مزاج بنا دیا گیا تھا۔ اس لئے جب کوئی استاد تاخیر سے آتا تو وہ رجسٹر پر نوٹ لکھ دیتا کہ آج میں اتنی تاخیر سے آیا، اور اگر مدرسہ کے اوقات کے درمیان کوئی دوست یا کوئی عزیز رشتہ دار ملاقات کے لئے آ گیا، او اس کے ساتھ بات چیت میں مشغول ہو گئے تو اس وقت گھڑی دیکھ کر استاد وقت نوٹ کر لیتا کہ یہ دوست اس وقت آیا، اور اس وقت واپس گیا، اور آدھا گھنٹہ دوست کے ساتھ بات چیت میں صرف ہو گیا، اور جب تنخواہ وصول کرنے کا وقت آتا تو وہ پورے مہینے کا گوشوارا پیش کرتا اور ایک درخواست پیش کرتا

کہ ہم سے اس ماہ میں یہ کوتاہی ہوئی ہے، اور ہم نے اتنا وقت اپنی ذاتی مصروفیات میں خرچ کر دیا تھا، لہٰذا اتنے وقت کی تنخواہ ہماری کاٹ لی جائے۔ اس طرح ہر استاد مہینے کے ختم پر درخواست دیکر اپنی تنخواہ کٹواتا تھا۔

تنخواہ کاٹنے کی درخواست

الحمدللہ، ہم نے دارالعلوم میں بھی یہ طریقہ رکھا ہوا ہے، اور صدر سے لیکر چپراسی تک ہر ایک کے ساتھ یکساں معاملہ کیا جاتا ہے کہ جتنا وقت ذاتی مصروفیات میں استعمال ہوا ہے، اس کی تنخواہ کٹوا دیتے ہیں۔ آج کے دور میں تنخواہ بڑھانے کی مثالیں تو بہت ملیں گی، لیکن کوئی درخواست آپ نے ایسی نہیں دیکھی ہوگی جس میں اس نے یہ درخواست دی ہو کہ میں نے ملازمت کے اوقات کے دوران اتنی دیر اپنا ذاتی کام کر لیا تھا، لہٰذا میری اتنی تنخواہ کاٹ لو، کیونکہ وہ حرام ہے، وہ میرے لئے حلال نہیں۔ آج اس کا کسی کو خیال نہیں۔

اپنے فرائض صحیح طور پر انجام دو

اس کی وجہ یہ ہے کہ آج یہ نعرہ تو لگایا جاتا ہے کہ ہمارا حق ہمیں پورا ملنا چاہیے، لیکن ہم اپنا فریضہ پورا ادا کریں، اور ہمارے ذمہ جو واجبات ہیں ان کو ادا کریں، اس کی کسی کو فکر نہیں۔ قرآن و حدیث یہ کہتے ہیں کہ ہر شخص اپنے فرائض بجالانے کی فکر کرے، جب ہر انسان اپنے فرائض صحیح طور پر بجالائیگا تو دوسروں کے حقوق خود بخود ادا ہو جائیں گے۔ بہرحال، اوقات میں چوری کرنا امانت میں خیانت ہے، اور اس کے نتیجے میں اچھی خاصی حلال ملازمت کی آمدنی کو حرام بنالیتے ہیں۔ اگر یہی سرکاری ملازم صبح کو صحیح وقت پر آئے، اور شام کو صحیح وقت پر جائے، اور اپنے فرائض کو صحیح طور پر بجالائے، اور دل میں یہ نیت کرے کہ یا اللہ! میں آپ کی مخلوق کی خدمت کے لئے یہاں بیٹھا ہوں، چونکہ اپنا پیٹ

اور اپنی بیوی بچوں کا پیٹ پالنے کے لئے تنخواہ ضروری ہے اس وجہ سے تنخواہ لیتا ہوں، لیکن میری نیت یہ ہے کہ میں مخلوق کی خدمت کروں، تو اس صورت میں یہ پورے آٹھ (۸) گھنٹے اس کیلئے عبادت اور اجر وثواب کا باعث بن جائیں گے، اور تنخواہ بھی حلال ہوگی۔ لیکن اگر اوقات کی چوری کرلی، یا اپنے فرائض پورے طور پر انجام نہیں دیے تو اس نے حلال آمدنی کو حرام بنالیا، اس تنخواہ کو آگ کے انگارے بنالئے۔

حلال اور حرام میں فرق ہے

آج ان پیسوں میں فرق نظر نہیں آرہا ہے، بلکہ حلال اور حرام دونوں دیکھنے میں یکساں نظر آرہے ہیں، لیکن جب یہ ہماری ظاہری آنکھیں بند ہوں گی، اور اللہ تعالیٰ کے سامنے پیشی ہوگی اس وقت پتہ چلے گا کہ یہ حرام آمدنی جو لے کر آیا تھا وہ آگ کے انگارے تھے، جو وہ اپنے پیٹ میں بھر رہا تھا، قرآن کریم نے ارشاد فرمایا کہ:

اِنَّ الَّذِیْنَ یَاْکُلُوْنَ اَمْوَالَ الْیَتٰمٰی ظُلْمًا اِنَّمَا
یَاْکُلُوْنَ فِیْ بُطُوْنِهِمْ نَارًا ؕ

(النساء: ۱۰)

یعنی جو جوگ یتیموں کا مال ظلماً کھاتے ہیں وہ اپنے پیٹوں میں آگ بھرتے ہیں۔ آج ہماری پوری قوم عذاب میں مبتلا ہے، کسی کو سکون نہیں ہے، کسی کو چین نہیں ہے، کسی کو آرام نہیں ہے، کسی کا مسئلہ حل نہیں ہوتا، ہر ایک انسان بھاگ دوڑ میں مبتلا ہے، یہ سب اس لئے ہے کہ امانت میں خیانت کرنا اس قوم کی گھٹی میں پڑ گئی ہے، اور جس قوم کو حلال اور حرام کی پرواہ باقی نہ رہی ہو، وہ فلاح کہاں سے پائے گی، قرآن کریم کا فرمان یہ ہے کہ فلاح ان لوگوں کو ملے گی جو امانتوں کا اور عہد کا پاس کرنے والے ہیں۔

عاریت کی چیز امانت ہے

امانت کی ایک اہم قسم یہ ہے کہ کسی دوسرے کی کوئی چیز آپ کے پاس عاریتاً آگئی ہے، ''عاریت'' کا مطلب یہ ہے کہ جیسے کسی سے کوئی چیز استعمال کے لئے لے لینا، مثلاً کوئی کتاب دوسرے سے پڑھنے کے لئے لے لی، یا دوسرے کا قلم لے لیا، یا گاڑی لیلی، یہ چیزیں امانت ہیں، لہٰذا پہلی بات تو اس میں یہ ہے کہ جب ضرورت پوری ہو جائے اس کے بعد جلد از جلد اس چیز کو اس کے مالک تک پہنچانا ضروری ہے، آج لوگ اس کی پرواہ نہیں کرتے، چنانچہ ایک چیز وقتی ضرورت کے ساتھ آپ نے دوسرے سے لے لی تھی، اب ضرورت ختم ہوگئی، لیکن وہ چیز آپ کے پاس کے پاس پڑی ہوئی ہے، واپس پہنچانے کی فکر نہیں ہے۔ اور اصل مالک بعض اوقات مانگتے ہوئے شرماتے ہیں کہ اگر میں نے مانگا تو اس کو برا لگے گا، لیکن اس کو ضرورت ہے اور اس کے دل پر ایک تشویش ہے کہ میری یہ چیز فلاں کے پاس ہے، اور آپ نے بے پرواہی میں وہ چیز ڈال رکھی ہے، تو جتنی دیر وہ چیز اس کے مالک کی خوش دلی کے بغیر آپ کے پاس رہے گی، اتنی دیر آپ امانت میں خیانت کے مرتکب ہوں گے۔

حضرت مفتی محمد شفیع صاحبؒ اور امانت کی فکر

میرے والد ماجد حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب قدس اللہ سرہٗ، جب آخری عمر میں بہت زیادہ بیمار ہوگئے تھے، اور صاحب فراش ہوگئے تھے، اور دل کی تکلیف تھی، چارپائی سے اٹھ کر چلنا مشکل ہوتا تھا، اس لئے اپنی چارپائی پر ہی سارا کام انجام دیتے تھے، کھانا بھی چارپائی پر کھاتے تھے، اور جب کھانے سے فارغ ہوتے تو ہمیں حکم

دیتے کہ یہ برتن فوراً باورچی خانے میں پہنچادو، بعض اوقات ہم کسی کام میں مشغول ہوتے اور برتن پہنچانے میں کچھ تاخیر ہوجاتی تو ناراض ہوجاتے۔ اسی طرح کوئی دوسری چیز دوسرے کمرے سے اس کمرے میں آجاتی تو ضرورت پوری ہونے کے بعد فوراً واپسی کا حکم دیتے کہ اس کو اپنی جگہ رکھ دو۔ ایک دن میں نے پوچھ لیا کہ حضرت ! یہ سب آخر گھر ہی کی چیزیں ہیں اگر ان چیزوں کو اپنی جگہ رکھنے میں تھوڑی تاخیر ہوجائے تو اس میں کیا حرج ہے؟ اور آپ تاخیر کی وجہ سے اتنے پریشان کیوں ہوجاتے ہیں؟

اس وقت جو جواب دیا اس سے اندازہ ہوا کہ یہ اللہ والے کتنی دور کی بات سوچتے ہیں۔ فرمانے لگے کہ اصل بات یہ ہے کہ میں نے اپنے وصیت نامے میں یہ لکھ دیا ہے کہ جتنی اشیاء اس کمرے میں ہیں، وہ صرف میری ملکیت ہیں، اور باقی گھر کی ساری اشیاء میں اپنی اہلیہ کی ملکیت کر چکا ہوں، وہ میری ملکیت میں نہیں ہیں، اب اگر کوئی چیز باہر سے یہاں آجاتی ہے تو وہ ان کی ملکیت ہے، اور میرے پاس امانت ہے، اور امانت کا حکم یہ ہے کہ اسے اس کے اصل مالک تک جلد از جلد پہنچاؤ۔

موت کا دھیان ہر وقت

دوسری بات یہ ہے کہ اگر میرا اس حالت میں انتقال ہوجائے، اور وہ چیز میرے کمرے میں پڑی رہ جائے، اور جبکہ وصیت نامے میں میں نے یہ لکھ دیا ہے کہ جو چیزیں میرے کمرے میں ہیں، وہ سب میری ملکیت ہیں، تو اس وصیت کے اعتبار سے جو چیزیں میری ملکیت نہیں وہ میری ملکیت شمار ہوجائیں گی، اور اندیشہ ہے اس کے نتیجے میں حقدار کا حق فوت ہوجائے گا، اس وجہ سے میں یہ چاہتا ہوں کہ جو چیز باہر سے آئے وہ جلد از جلد اپنی

جگہ پر پہنچ جائے۔۔۔۔اب آپ امانت کی اہمیت کا اندازہ لگائیں۔ یہ سب شریعت کے احکام ہیں، جن کا شریعت نے حکم دیا ہے لیکن ہم لوگ دن رات ان احکام سے لاپرواہی میں مبتلا ہیں، دوسروں کی چیز ہمارے پاس پڑی ہوئی ہے، ہمیں اس کو واپس کرنے کی کوئی فکر نہیں۔ کسی بیچارے نے آپ کے پاس اپنے برتنوں میں کھانا بھیج دیا تھا، اب آپ کھانا کھا کر ختم کر چکے، لیکن برتن پڑے ہوئے ہیں، ان کو بھجوانے کا کوئی اہتمام نہیں، حالانکہ وہ برتن آپ کے پاس امانت ہیں، اگر اس دوران وہ برتن آپ کے پاس ٹوٹ جائے تو اس کا وبال آپ کے ذمے ہوگا، چونکہ آپ نے بروقت واپس کرنے کا اہتمام نہیں کیا۔

دوسرے کی چیز کا استعمال

ایک بات یہ ہے کہ اگر دوسرے کی چیز ہمارے استعمال میں ہے تو اس چیز کو مالک کی مرضی کے خلاف استعمال کرنا بھی امانت میں خیانت ہے، مالک نے جس کام کے لئے دی، اس کام میں استعمال کرنا تو جائز ہے، کیونکہ اس کی مرضی اس میں شامل ہے، لیکن اس کی مرضی کے خلاف چوری چھپے استعمال کیا جائے گا تو یہ امانت میں خیانت ہوگی، اور بڑا گناہ ہے، مثلاً کسی نے آپ کو کسی خاص مقصد کے استعمال کے لئے گاڑی دیدی تو اب خاص مقصد میں استعمال کرنا تو جائز ہے، لیکن اس خاص مقصد کے علاوہ دوسرے کسی کام میں استعمال کر لی تو ناجائز، حرام اور امانت میں خیانت ہے۔

دفتری اشیاء کا استعمال

جو لوگ دفتر میں ملازم ہوتے ہیں، ان کو دفتر کی طرف سے بہت سی چیزیں استعمال کرنے کے لئے ملتی ہیں، اب دفتر کے قواعد اور ضوابط کے تحت تو ان اشیاء کو استعمال کرنا جائز

ہے، اور اگر ان قواعد اور ضوابط کے خلاف استعمال کیا جائے تو یہ حرام ہے، اور امانت میں خیانت ہے۔ مثلاً دفتر کی طرف سے آپ کو پین ملا ہے، پیڈ ملا ہے، لفافے ملے ہیں، یا دفتر میں آپ کے فون لگا ہوا ہے، یا دفتر کی طرف سے آپ کو گاڑی ملی ہوئی ہے، یا موٹر سائیکل ملی ہوئی ہے۔ اور اب ان چیزوں کے استعمال کے بارے میں دفتر کے کچھ قواعد ہیں کہ ان قواعد کے تحت ان اشیاء کو استعمال کیا جائے، تو اب قواعد کے دائرے میں ان اشیاء کو استعمال کرنا جائز ہے، ان قواعد سے الگ ہٹ کر آپ نے ان اشیاء کو اپنے کسی ذاتی کام میں استعمال کرلیا تو خیانت ہے، اور اس کے نتیجے میں خیانت کا عظیم گناہ انسان کے ذمے لازم آجاتا ہے، کہاں تک شمار کیا جائے ورنہ زندگی کے ہر شعبے میں کہیں نہ کہیں ہمارے پاس امانت موجود ہے۔

دواؤں کا غلط استعمال

ایک صاحب نے ایک مرتبہ مجھ سے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے ہمارے لئے علاج کرانا بہت آسان کردیا ہے، میں نے پوچھا کہ کیسے آسان کردیا ہے؟ انہوں نے جواب دیا کہ ہمارے پڑوس میں ایک صاحب ہیں وہ ہم پر بڑے مہربان ہیں، ان کو اپنے دفتر سے علاج کی سہولت ملی ہوئی ہے، وہ جو دوا خریدتے ہیں، اس کا بل دفتر میں جمع کرادیتے ہیں، دفتر والے وہ رقم ان کو ادا کردیتے ہیں۔ انہوں نے ہم سے کہہ دیا ہے کہ تمہیں جب بھی کوئی دوائی خریدنی ہو، تم خرید کر بل مجھے دے دیا کرو، میں دفتر سے اس کی رقم وصول کرکے تمہیں دیدیا کروں گا، اس طرح تمہیں یہ دوائیاں مفت مل جایا کریں گی۔

اب دیکھئے کہ ان صاحب کو دفتر والوں نے یہ سہولت دے رکھی تھی کہ ان کے گھر کا کوئی آدمی بیمار ہوجائے، اور اس کے علاج پر جو خرچہ آئے تو اس کا بل جمع کرادیں تو

ان کو دفتر سے پیسے مل جائیں گے۔ لیکن انہوں نے یہ سخاوت شروع کردی کہ اپنے پڑوسیوں کو اور اپنے دوستوں کو اس میں شامل کرلیا، اب جھوٹ اس کے اندر موجود ہے، دغابازی اس کے اندر موجود ہے، اور امانت میں خیانت اس میں موجود ہے، اس لئے کہ جو رقم تمہیں مل رہی ہے وہ امانت ہے، جہاں استعمال کرنے کی اجازت ہے بس وہیں پر استعمال کرنا آپ کے لئے حلال ہے، اس کے علاوہ حرام ہے، وہ صاحب یہ سمجھ رہے ہیں کہ ہم نیکی کر رہے ہیں دوسروں کے ساتھ، لیکن حقیقت میں وہ بہت بڑا گناہ ہے، جس کے نتیجے میں آخرت میں گردن پکڑی جائے گی۔

حرام آمدنی کا ذریعہ

یہ تو صرف سخاوت کی حد تک بات تھی، جب کہ بہت سے لوگوں نے اس کو آمدنی کا ذریعہ بنا رکھا ہے، مثلاً دوسرے سے کہہ دیا کہ تم دوا خرید کر بل ہمیں دیدو جو پیسے ملیں گے، اس میں سے آدھے تمہارے، آدھے ہمارے۔ آج امانت کا لحاظ نہ رکھنے کے نتیجے میں معاشرہ تباہ ہو چکا ہے، اور یہ جو دن رات مصیبتیں، پریشانیاں، بیماریاں اور دشمنوں کے حملے، بدامنیاں اور قتل و غارت گری کا بازار گرم ہے، یہ سب کیوں نہ ہو، جبکہ ہم نے اپنے آپ کو ان کاموں کے لئے منتخب کرلیا ہے جو کافروں کے تھے، ان کافروں نے کم از کم اپنی حد تک امانت اور دیانت کو اپنا لیا ہے، جس کے نتیجے میں اللہ تعالیٰ نے ان کو دنیا میں عروج دیدیا۔ اور ہم نے قرآن کریم کی ہدایات کو ترک کردیا، جس کا نتیجہ یہ ہے کہ ہم ہر جگہ پست اور ذلیل ہو رہے ہیں۔

باطل مٹنے کے لئے آیا ہے

میرے والد ماجد قدس اللہ سرّہٗ ایک بڑی خوب صورت بات فرمایا کرتے تھے، جو

ہر مسلمان کو یاد رکھنی چاہیے، فرمایا کرتے تھے کہ باطل میں ابھرنے کی صلاحیت ہی نہیں، قرآن کریم تو یہ کہتا ہے کہ :

اِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوْقاً

(بنی اسرآئیل : ۸۱)

یعنی باطل تو دبنے کے لئے اور مٹنے کے لئے آیا ہے، ابھرنے کے لئے نہیں آیا، لیکن اگر کسی باطل قوم کو تم دیکھو کہ وہ دنیا کے اندر ابھر رہی ہے اور ترقی کر رہی ہے تو سمجھ لو کہ کوئی حق چیز اس کے ساتھ لگ گئی ہے، جس نے اس کو ابھارا ہے۔ باطل میں ابھرنے کا دم نہیں تھا۔

حق صفات نے ابھار دیا ہے

لہٰذا یہ ہمارے دشمن جن کو ہم روزانہ برا بھلا کہتے ہیں، چاہے وہ امریکہ ہو، یا برطانیہ ہو، انہوں نے دنیا کے اندر جو مقام حاصل کیا ہے وہ باطل کی وجہ سے حاصل نہیں کیا، بلکہ کچھ حق کی صفات ان کے ساتھ لگ گئی ہیں، جو انہوں نے ہم سے لی ہیں، وہ یہ کہ ان کے اندر آپس کے معاملوں میں امانت داری ہے، اور خیانت سے حتیٰ الامکان اکثر و بیشتر لوگ پرہیز کرتے ہیں، وہاں بھی سب لوگ ایک جیسے نہیں ہیں، وہاں پر بھی بڑے بڑے دھوکہ باز پڑے ہوئے ہیں، لیکن عام طور پر آپس کے معاملات میں انہوں نے امانت اور دیانت کو اپنایا ہوا ہے، اور اللہ تعالیٰ نے دنیا کے اندر یہ قانون بنایا ہے کہ جو شخص صحیح راستہ اختیار کرے گا، اللہ تعالیٰ اسے دنیا میں عروج دیں گے، آخرت میں اگر چہ ان کا کوئی حصہ نہیں ہوگا، لیکن دنیا میں ان کو ترقی دیدی جائے گی، اور مسلمانوں نے یہ چیزیں چھوڑ دیں، اس کا نتیجہ یہ ہے کہ وہ آج دنیا کے اندر ذلیل ہو رہے ہیں۔

مجلس کی باتیں امانت ہیں

ایک اور چیز ہے جس کی طرف نبی کریم ﷺ نے وضاحت کے ساتھ توجہ دلائی، چنانچہ آپ نے فرمایا '' اَلْمَجَالِسُ بِالْاَمَانَةِ '' یعنی انسانوں کی مجلسوں میں کہی گئی بات بھی ''امانت'' ہے، مثلاً دو چار آدمی بیٹھے ہوئے تھے، ان میں سے کسی ایک نے کوئی بات کہی، تو آپ کے لئے جائز نہیں کہ اس کی اجازت کے بغیر اس کی بات کو کہیں اور جا کر نقل کر دیں، اس لئے کہ جو بات اس کے منہ سے نکل کر آپ کے کان میں پڑی ہے، وہ آپ کے پاس اس کی امانت ہے، لہٰذا اگر وہ بات کسی اور سے بیان کرنی ہے تو پہلے اس سے اجازت لو کہ میں تمھاری یہ بات فلاں سے نقل کرنا چاہتا ہوں، آپ کی اجازت ہے یا نہیں؟ اس کی اجازت کے بغیر اس بات کو کہیں اور جا کر بیان کرنا امانت میں خیانت ہے۔

راز کی بات امانت ہے

اسی طرح کسی نے آپ کو اپنے راز کی کوئی بات کہہ دی، اور ساتھ میں یہ بھی کہہ دیا کہ اس کو اپنی حد تک رکھنا، تو جب تک اس کی مرضی نہ ہو، اس بات کو کہیں اور جا کر نقل کرنا یہ رسول اللہ ﷺ کے ارشاد کے مطابق امانت میں خیانت ہے۔ آج ہم لوگوں کا حال یہ ہے اگر دوسرے کے راز کی کوئی بات معلوم ہوگئی تو اب اس کو ساری دنیا میں گاتے پھر رہے ہیں، یہ سب امانت میں خیانت کے اندر داخل ہے۔

اعضاء امانت ہیں

اگر ذرا گہری نظر سے دیکھو تو انسان کا اپنا وجود بھی اللہ تعالیٰ کی امانت ہے، یہ جسم سر

سے لیکر پاؤں تک ہماری ملکیت نہیں ہے، بلکہ اللہ تعالیٰ نے استعمال کے لئے ہمیں دیا ہوا ہے، یہ ہمارے ہاتھ، یہ ہمارے پاؤں، یہ ہماری آنکھیں، یہ ہمارے کان کیا ہم ان کو کہیں بازار سے خرید کر لائے تھے؟ یا خود ہم نے بنائے تھے؟ بلکہ یہ سب اللہ جل جلالہ کی عطا ہے، اور اللہ تعالیٰ نے ہمیں مفت دیے ہیں۔ یہ آنکھیں بھی امانت ہیں، ہمارے کان بھی امانت ہیں، ہمارے ہاتھ بھی امانت، ہمارے پاؤں بھی امانت، لہٰذا جب امانت ہیں تو اگر ان کو اللہ تعالیٰ کی مرضی کے خلاف استعمال کیا جائے گا وہ امانت میں خیانت ہوگی۔

آنکھ کی خیانت

مثلاً اگر آنکھ سے ان چیزوں کو دیکھا جا رہا ہے جو اللہ تعالیٰ کی مرضی کے خلاف ہیں، اور نامحرم پر لذّت لینے کے لئے نگاہ ڈالی جارہی ہے، ایسی فلمیں دیکھی جارہی ہیں جن کا دیکھنا حرام ہے، تو یہ آنکھ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی اور معصیت میں استعمال ہو رہی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے تو یہ آنکھ تمہیں اس لئے دی تھی کہ تم اس سے نفع اٹھاؤ، دنیا کے حسین مناظر اس کے ذریعے دیکھو، اس کے ذریعے اپنی بچوں کو دیکھ کر خوش ہو، اس کے ذریعے اپنے والدین کو دیکھ کر خوش ہو، اس کے ذریعے اپنے بھائی، بہن اور دوست احباب کو دیکھ کر خوش ہو، اور اس کے ذریعے دنیا کے کام چلاؤ۔ لیکن تم نے اس آنکھ کو فساد میں استعمال کرلیا، گناہ اور معصیت میں استعمال کرلیا۔ تو یہ اللہ تعالیٰ کی امانت میں خیانت ہوئی۔

کان اور ہاتھ کی خیانت

یہ کان تمہیں اس لئے دیے گئے تھے کہ اس کے ذریعے ضرورت کی باتیں سنو، اچھی باتیں بھی سنو، اور تفریح کی باتیں بھی سنو، لیکن معصیت کی باتیں سننے سے تمہیں روکا گیا تھا۔ لیکن تم نے اس کان کو معصیت کی باتیں سننے میں استعمال کیا، یہ اللہ تعالیٰ کی امانت

میں خیانت ہوئی۔

یہ ہاتھ اللہ تعالیٰ نے اس لئے دیے تھے تا کہ تم اس کے ذریعے جائز مقاصد کاصل کر سکو، کماؤ، محنت کرو، جدو جہد کرو۔ لیکن تم نے یہ ہاتھ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور کے سامنے پھیلا دیے، جہاں پھیلانا تمہارے لئے جائز نہیں تھا، یہ ہاتھ کا غلط استعمال ہے، جو امانت میں خیانت ہے۔ یا ان ہاتھوں سے ایسی چیز پکڑ لی جس کا پکڑنا تمہارے لئے جائز نہیں تھا، یہ امانت میں خیانت ہے۔

چراغ سے چراغ جلتا ہے

ہر انسان اللہ تعالیٰ کے سامنے اپنے اعمال کا جواب دہ ہے، لوگ کیا کر رہے ہیں، ان کو دیکھ کر میں بھی ان جیسا بن جاؤں، اس کا کوئی جواز نہیں۔ اگر ہر انسان کے دل میں ضمیر کی شمع روشن ہو جائے، تقوے کی شمع روشن ہو جائے کہ مجھے اللہ تعالیٰ کے سامنے جواب دینا ہے۔ اگر ایک آدمی کے دل میں یہ احساس پیدا ہو جائے تو اللہ تعالیٰ کی سنت یہ ہے کہ ایک چراغ سے دوسرا چراغ جلتا ہے، اور دوسرے سے تیسرا چراغ جلتا ہے، اور اس طرح ماحول میں اجالا ہو جاتا ہے، لہٰذا ہر انسان اپنی جگہ پر امانت کا پاس کرنے کی فکر کرے، یہ نہ سوچے کہ ساری دنیا ایک طرف جا رہی ہے، میں اکیلا کیا کروں گا۔ بات یہ ہے کہ دنیا میں جب بھی کوئی کام ہوا ہے وہ اکیلے ہی انسان سے ہوا ہے، پیغمبر جب دنیا میں تشریف لاتے ہیں تو وہ تنہا ہوتے ہیں، کوئی ان کے ساتھ نہیں ہوتا، لیکن جب کام شروع کر دیتے ہیں تو اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف سے مدد ہوتی ہے۔

میں تو تنہا ہی چلا تھا جانبِ منزل مگر
لوگ کچھ ملتے گئے، اور قافلہ بنتا گیا

دعا فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ ہم سب کو ان باتوں پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے، اور امانتوں کا پاس رکھنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

و آخر دعوانا ان الحمد لله رب العٰلمین

عہد اور وعدہ کی اہمیت

شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہم

ضبط و ترتیب
محمد عبداللہ میمن

میمن اسلامک پبلشرز
۱۸۸/۱، لیاقت آباد، کراچی ۱۹

مقام خطاب : جامع مسجد بیت المکرّم
گلشن اقبال کراچی

وقت خطاب : بعد نماز عصر تا مغرب

اصلاحی خطبات : جلد نمبر: ۱۵

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ط

عہد اور وعدہ کی اہمیت

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ نَحْمَدُہٗ وَ نَسْتَعِیْنُہٗ وَ نَسْتَغْفِرُہٗ وَ نُؤْمِنُ بِہٖ وَ نَتَوَکَّلُ عَلَیْہِ وَنَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَیِّئَاتِ اَعْمَالِنَا ۔ مَنْ یَّھْدِہِ اللّٰہُ فَلاَ مُضِلَّ لَہٗ وَ مَنْ یُّضْلِلْہُ فَلاَ ھَادِیَ لَہٗ وَاَشْھَدُ اَنْ لَّا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْکَ لَہٗ وَ اَشْھَدُ اَنَّ سَیِّدَنَا وَنَبِیَّنَا وَ مَوْلَا نَا مُحَمَّداً عَبْدُہٗ و رَسُوْلُہٗ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَ عَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَبَارَکَ وَ سَلَّمَ تَسْلِیْماً کَثِیْراً۔

أَمَّا بَعْدُ ! فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ oبِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ o قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ o اَلَّذِیْنَ ھُمْ فِیْ صَلاَتِھِمْ خٰشِعُوْنَ o وَ الَّذِیْنَ ھُمْ عَنِ اللَّغْوِ مُعْرِضُوْنَ o وَالَّذِیْنَ ھُمْ لِلزَّکٰوۃِ فٰعِلُوْنَ o وَ الَّذِیْنَ ھُمْ لِفُرُوْجِھِمْ حٰفِظُوْنَ o اِلَّا عَلٰٓی اَزْوَاجِھِمْ اَوْمَا مَلَکَتْ اَیْمَانُھُمْ فَاِنَّھُمْ غَیْرُ مَلُوْمِیْنَ o فَمَنِ ابْتَغٰی وَرَآءَ ذٰلِکَ فَاُولٰٓئِکَ ھُمُ الْعٰدُوْنَ o وَ الَّذِیْنَ ھُمْ لِاَ مَانَاتِھِمْ وَ عَھْدِھِمْ رَاعُوْنَ o

(سورۃالمؤمنون ۱ تا ۸)

آمنت باللّٰہ صدق اللّٰہ مولانا العظیم و صدق رسولہ النبی الکریم و

نحن علی ذٰلک من الشاھدین والشاکرین والحمد للّٰہ رب العٰلمین۔

تمہید

بزرگانِ محترم اور برادرانِ عزیز : سورۃ المؤمنون کی ابتدائی آیات میں نے آپ کے سامنے تلاوت کیں، ان کی تشریح کا سلسلہ کافی عرصہ سے چل رہا ہے، اور ہم اس آیت کریمہ تک پہنچے ہیں جس میں اللہ تعالیٰ نے فلاح پانے والے مؤمنوں کی صفات بیان کرتے ہوئے یہ فرمایا کہ ''وَ الَّذِیْنَ ھُمْ لِاَمَانَاتِھِمْ وَعَھْدِھِمْ رَاعُوْنَ '' یہ وہ لوگ ہیں جو اپنی امانتوں کا لحاظ کرتے ہیں، اور اپنے عہد کا پاس کرتے ہیں، امانتوں کی رعایتوں سے متعلق میں نے گذشتہ دو جمعوں میں قدرے تفصیل کے ساتھ اس کی مختلف صورتیں بیان کی تھیں کہ امانت میں کیا کیا چیزیں داخل ہوتی ہیں، اور امانت میں خیانت کرنا، اور امانت کا پاس نہ رکھنے کی کیا کیا صورتیں ہمارے معاشرے میں رائج ہو چکی ہیں، اور ان سب سے بچنے کی ضرورت ہے۔

قرآن و حدیث میں عہد

دوسری چیز جو اس آیتِ کریمہ میں بیان کی گئی ہے، وہ ''عہد کا لحاظ ''رکھنا، یعنی مؤمن کا کام یہ ہے کہ وہ جو عہد کر لیتا ہے یا جو وعدہ کر لیتا ہے وہ اس کا پورا پاس کرتا ہے، پورا لحاظ کرتا ہے، اس کی خلاف ورزی نہیں کرتا۔ قرآن کریم کی بہت سی آیات میں اللہ تعالیٰ نے ''وعدہ'' اور ''عہد'' کی پاسداری کا حکم دیا ہے، ایک آیت میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا :

وَاَوْفُوْا بِالْعَھْدِ اِنَّ الْعَھْدَ کَانَ مَسْئُوْلاً

(بنی اسرائیل : ۳۴)

یعنی جو عہد کرو اس کو پورا کرو ، کیونکہ اس عہد کے بارے میں تم سے آخرت میں سوال ہوگا۔

کہ تم نے فلاں وعدہ کیا تھا، اس کو پورا کیا یا نہیں کیا؟ فلاں عہد کیا تھا، پورا کیا یا نہیں کیا؟

دوسری جگہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا :

" یٰاَیُّھَاالَّذِیْنَ آمَنُوْا اَوْفُوْا بِالْعُقُوْدِ "

(المائدہ : ۱)

اے ایمان والو ! تم آپس میں کسی کے ساتھ عہد و پیمان باندھ لو تو اس کو پورا کرو۔ بہر حال؛ قرآن کریم میں جگہ جگہ اس کی تاکید آئی ہے، اور یہ بھی مسلمان کے مسلمان ہونے کی علامت قرار دی گئی کہ مسلمان کبھی عہد شکنی نہیں کرتا، جو وعدہ کرتا ہے اس کو پورا کرتا ہے۔ اور وعدہ کو پورا نہ کرنا یہ منافق کی علامت قرار دی گئی ہے۔ ایک حدیث میں حضور ﷺ کا ارشاد ہے : آیَۃُالْمُنَافِقِ ثَلاثٌ

" اذا حدث کذب و اذاا وعد اخلف و اذا اؤتمن خان "

منافق کی تین علامتیں ہیں، جب بات کرے تو جھوٹ بولے،

جب وعدہ کرے تو وعدے کی خلاف ورزی کرے، اور جب

اسکے پاس کوئی امانت رکھوائی جائے تو اس میں کیانت کرے۔

(بخاری، کتاب الایمان، باب علامات المنافق)

وعدہ کرنے سے پہلے سوچ لو

اس سے معلوم ہوا کہ ان تینوں میں سے کوئی کام بھی مؤمن کا کام نہیں، مسلمان کا کام نہیں کہ وہ جھوٹ بولے، یا وعدہ خلافی کرے، یا امانت میں خیانت کرے۔ آدمی وعدہ کرنے سے پہلے سو مرتبہ سوچ لے کہ میں اس وعدے کو پورا کرسکوں گا یا نہیں، وعدہ کرنے میں جلدی کرنے کی ضرورت نہیں، لیکن جب سوچ سمجھ کر مشورہ کر کے تمام نتائج کو سامنے

رکھنے کے بعد جب ایک وعدہ کرلیا تو اب مسلمان کا کام یہ ہے کہ اس وعدے پر قائم رہے۔
صرف ایک صورت ہے جو شریعت نے جائز قرار دی ہے، وہ یہ ہے کہ کسی کام کے کرنے کا
وعدہ کیا تھا، لیکن کوئی حقیقی عذر پیش آگیا، اور عذر کی حالت اللہ تعالیٰ نے مستثنیٰ فرمائی ہے،
اس صورت میں دوسرے آدمی کو بتادے کہ میں نے آپ سے وعدہ کیا تھا، لیکن مجھے کچھ عذر
پیش آگیا ہے، جس کی وجہ سے میں یہ وعدہ پورا کرنے سے قاصر ہوں۔

عذر کی صورت میں اطلاع دے

مثلاً فرض کریں کہ آپ نے کسی سے وعدہ کرلیا کہ میں کل تمہارے گھر آؤں گا، اور
ارادہ بھی تھا کہ کل اس کے گھر جائیں گے، لیکن بعد میں تم بیمار ہوگئے، یا گھر میں کوئی اور بیمار
ہوگیا، اور اس کی دیکھ بھال کے لئے اس کے پاس رہنا ضروری ہے، اور جانا ممکن نہیں ہے، تو
یہ ایک عذر ہے اور عذر کی صورت میں اگر کوئی شخص وعدہ پورا نہ کرے تو شریعت میں اس کی
گنجائش ہے، اور اللہ تعالیٰ اس کو معاف فرمادیتے ہیں۔ البتہ اس صورت میں حتی الامکان
اس بات کی کوشش کرنی چاہیے کہ سامنے والے کو ایسے وقت میں بتادیا جائے کہ وہ کسی الجھن
اور پریشانی میں مبتلا نہ ہو۔ بہر حال؛ وعدہ پورا کرنا ایمان کی علامت ہے، اور وعدے کی
خلاف ورزی کو حضور اقدس ﷺ نے نفاق کی علامت قرار دی ہے۔

ایک صحابی کا واقعہ

حدیث شریف میں آتا ہے کہ ایک مرتبہ رسول کریم ﷺ کے سامنے ایک صحابی کسی
بچے کو اپنے پاس بلانا چاہتے تھے، اور وہ بچہ ان کے پاس نہیں آرہا تھا، اور آنے سے انکار
کررہا تھا ان صحابی نے اس بچے کو ترغیب دینے کے لئے یہ کہہ دیا کہ آؤ بیٹا ہمارے پاس
آجاؤ، ہم تمہیں ایک چیز دیں گے، جب حضور اقدس ﷺ نے ان کے یہ الفاظ سنے

''کہ ہم تمہیں ایک چیز دیں گے'' تو آپ نے ان صحابی سے پوچھا کہ یہ بتاؤ تمہارا واقعی اس بچے کو چیز دینے کا ارادہ تھا یا ویسے ہی بہلانے کے لئے آپ نے اس سے یہ کہہ دیا تھا؟ ان صحابی نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! میرے پاس ایک کھجور تھی، اور میرا ارادہ تھا کہ جب وہ آئے گا تو اس کو کھجور دیدوں گا، آپ ﷺ نے فرمایا کہ اگر واقعی تمہارا کھجور دینے کا ارادہ تھا، تب تو ٹھیک ہے، لیکن اگر تمہارا دل میں اس کو کچھ دینے کا ارادہ نہیں تھا، بلکہ محض اس کو اپنے پاس بلانے کے لئے اس کو یہ کہہ دیا کہ ہم تمہیں ایک چیز دیں گے تو یہ تمہاری طرف سے وعدہ خلافی ہوگی۔

بچے کے ساتھ وعدہ کر کے پورا کریں

اور بچے کے ساتھ وعدہ خلافی کرنے میں دوہرا نقصان ہے، ایک نقصان تو وعدہ خلافی کے گناہ کا ہے، اور دوسرا نقصان یہ ہے کہ پہلے دن سے ہی بچے کے ذہن میں آپ یہ بات ڈال رہے ہیں کہ وعدہ کر کے مکر جانا کوئی خرابی کی بات نہیں، بچہ کا ذہن ایسا صاف ہوتا ہے جیسے سادہ پتھر، اس پر جو چیز نقش کر دی جائے تو ہمیشہ کے لئے وہ چیز نقش ہو جاتی ہے۔ گویا کہ پہلے دن سے آپ نے وعدہ خلافی کا بیج بچے کے ذہن میں بو دیا، اب اگر وہ بچہ آئندہ کبھی بھی وعدہ خلافی کرے گا تو اس وعدہ خلافیوں کے گناہ میں آپ بھی حصہ دار ہوں گے، اس لئے کہ آپ نے اپنے طرزِ عمل سے اس کو وعدہ خلاف بنایا، اس لئے بچے کے ساتھ خاص طور پر اس بات کا اہتمام کرنا چاہیے کہ یا تو بچہ سے وعدہ کرو نہیں، اگر وعدہ کرو تو اس کو پورا کرو، تاکہ بچے کو یہ احساس ہو کہ جب کوئی وعدہ کیا جاتا ہے تو اس کو پورا کیا جاتا ہے۔

بچے کے اخلاق بگاڑنے میں آپ مجرم ہیں

ہمارے معاشرے میں اس معاملے کے اندر غفلت اور بے احتیاطی بہت عام ہے،

کہ بچے کو تعلیم دلانے کے لئے اچھے سے اچھے اسکول میں داخل کردیا، لیکن گھر کا ماحول ایسا بنایا ہوا ہے جس سے اس بچے کا مزاج و مذاق اس کے اخلاق و کردار خراب ہو رہے ہیں۔ مثلاً آپ گھر سے باہر کہیں جا رہے ہیں، اور بچہ ضد کر رہا ہے کہ میں بھی آپ کے ساتھ جاؤں گا۔ اب آپ نے اس بچے سے جان چھڑانے کی خاطر کوئی وعدہ کرلیا کہ میں تمہارے لئے ایک چیز لے کر آتا ہوں۔ یہ کہہ کر آپ چلے گئے، آپ نے اس بچے کو بہلا تو دیا، لیکن جو وعدہ آپ نے اس بچے کے ساتھ کیا تھا، وہ پورا نہیں کیا تو ایک طرف تو آپ وعدہ خلافی کے مجرم بنے، دوسرے یہ کہ اس بچے کی تربیت خراب کرنے کے مجرم بنے، اس بچے کا ذہن پہلے دن سے آپ نے خراب کردیا۔ لہٰذا بچے کے ساتھ معاملات کرنے میں بہت احتیاط کرنی چاہیے۔

بچوں کے ذریعے جھوٹ بلوانا

ہمارے معاشرے میں یہ بات بھی بکثرت عام ہے کہ ایک شخص آپ کے گھر پر آپ سے ملنے کے لئے آیا، یا کسی کا فون آیا، اور بچے نے آکر آپ کو اطلاع دی کہ فلاں صاحب آپ سے ملنے کے لئے آئے ہیں، یا فلاں صاحب آپ سے فون پر بات کرنا چاہتے ہیں۔ اب آپ کا ان صاحب سے بات کرنے کو اور ملنے کو دل نہیں چاہ رہا ہے، اس لئے آپ نے بچے سے کہہ دیا کہ جاؤ ان سے کہہ دو کہ ابو گھر پر نہیں ہیں۔ اب بچہ تو یہ دیکھ رہا ہے کہ ابا جان گھر پر موجود ہیں، لیکن میرے ابا گھر پر موجود ہونے کے باوجود مجھ سے کہلوا رہے ہیں کہ جا کر جھوٹ بول دو کہ گھر پر موجود نہیں ہیں، تو آج جب آپ اس سے جھوٹ بلوائیں گے تو کل جب وہ جھوٹ بولے گا تو کس منہ سے آپ اس کو جھوٹ بولنے سے روکیں گے۔ اس لئے کہ آپ نے تو خود اس کو جھوٹ بولنے کا عادی بنا دیا، اپنے ذرا سے مفاد کی خاطر جھوٹ کی

سنگینی اس بچے کے دماغ سے مٹادی تو اب اگر وہ بچہ جھوٹ بولے گا، اور اس بچے کو جھوٹ کی عادت پڑ جائے گی تو اس گناہ میں آپ بھی برابر کے شریک ہوں گے۔ اور آپ نے اس بچے کی زندگی تباہ کردی۔ اس لئے کہ جو آدمی جھوٹ بولنے کا عادی ہوتا ہے تو دنیا میں کہیں بھی اس پر اعتماد نہیں کیا جاتا، اس پر بھروسہ نہیں ہوتا۔ اس لئے بچوں کے ساتھ معاملات کرنے میں خاص طور پر بڑی احتیاط کی ضرورت ہے۔ بچوں کو سچائی سکھائی جائے، ان کو امانت داری سکھائی جائے، ان کو وعدے کی پابندی سکھائی جائے۔

حضور کا تین دن انتظار کرنا

روایات میں ایک واقعہ آتا ہے، جو نبوت کے عطا ہونے سے پہلے کا واقعہ ہے کہ حضور اقدس ﷺ کا کسی شخص کے ساتھ معاملہ ہوا، اور آپس میں یہ طے ہوا کہ فلاں جگہ پر کل کو آپس میں ملاقات کریں گے۔ دن، جگہ اور وقت سب طے ہوگیا۔ جب وقت مقررہ آیا تو رسول کریم ﷺ اس جگہ پر پہنچ گئے، اب آپ وہاں جا کر کھڑے ہوگئے، مگر وہ شخص جس سے وعدہ کیا ہوا تھا، وہ اس جگہ نہیں آیا، انتظار کرتے ہوئے کئی گھنٹے گزر گئے، مگر وہ شخص نہیں آیا، رسول کریم ﷺ وہاں کھڑے رہے، روایات میں آتا ہے کہ تین دن تک متواتر حضور اقدس ﷺ نے اس شخص کا انتظار کیا، صرف ضرورت کے لئے گھر جاتے، پھر واپس اس جگہ آجاتے۔ تین دن بعد جب وہ صاحب آئے تو آپ نے صرف اتنا کہا کہ تم نے وعدے پر نہ آکر مجھے تکلیف پہنچائی۔ تو صرف وعدے کو پورا کرنے کے لئے کہ کہیں اس وعدے کی خلاف ورزی نہ ہوجائے، تین دن تک متواتر آپ نے وہاں انتظار فرمایا۔

حضرت حذیفہ کا ابوجہل سے وعدہ

حضور اقدس ﷺ نے ایسے ایسے وعدوں کو نبھایا کہ۔۔ اللہ اکبر آج اس کی

نظیر نہیں پیش کی جاسکتی۔ حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ مشہور صحابی ہیں، اور حضور ﷺ کے راز دار ہیں۔ جب یہ اور ان کے والد یمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ مسلمان ہوئے، تو مسلمان ہونے کے بعد حضور اقدس ﷺ کی خدمت میں مدینہ طیبہ آرہے تھے۔ راستے میں ان کی ملاقات ابوجہل اور اس کے لشکر سے ہوگئی، اس وقت ابوجہل اپنے لشکر کے ساتھ حضور اقدس ﷺ سے لڑنے کیلئے جارہا تھا، جب حضرت حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ملاقات ابوجہل سے ہوئی تو اس نے پکڑلیا، اور پوچھا کہ کہاں جارہے ہو؟ انہوں نے بتایا کہ ہم حضور اقدس ﷺ کی خدمت میں مدینہ طیبہ جارہے ہیں، ابوجہل نے کہا کہ پھر تو ہم تمہیں نہیں چھوڑیں گے، اس لئے کہ تم مدینہ جاکر ہمارے خلاف جنگ میں حصہ لوگے، انہوں نے کہا کہ ہمارا مقصد تو صرف حضور ﷺ سے ملاقات اور زیارت ہے۔ ہم جنگ میں حصہ نہیں لیں گے۔ ابوجہل نے کہا کہ اچھا ہم سے وعدہ کرو کہ وہاں جاکر صرف ملاقات کروگے، لیکن جنگ میں حصہ نہیں لوگے، انہوں نے وعدہ کرلیا۔ چنانچہ ابوجہل نے آپ کو چھوڑ دیا، آپ جب حضور اقدس ﷺ کی خدمت میں پہنچے، اس وقت حضور اقدس ﷺ اپنے صحابہ کرام کے ساتھ غزوہ بدر کے لئے مدینہ منورہ سے روانہ ہوچکے تھے، اور راستے میں ملاقات ہوگئی۔

حق اور باطل کا پہلا معرکہ ''غزوہ بدر''

اب اندازہ لگایئے کہ اسلام کا پہلا حق و باطل کا معرکہ (غزوہ بدر) ہورہا ہے۔ اور یہ وہ معرکہ ہے جس کو قرآن کریم نے ''یوم الفرقان'' فرمایا، یعنی حق و باطل کے درمیان فیصلہ کردینے والا معرکہ، وہ معرکہ ہورہا ہے جس میں جو شخص شامل ہوگیا۔ وہ ''بدری'' کہلایا، اور صحابہ کرام میں ''بدری'' صحابہ کا بہت اونچا مقام ہے۔ اور'' اسمائے

بـدریـیـن " بطور وظیفے کے پڑھے جاتے ہیں۔ ان کے نام پڑھنے سے اللہ تعالیٰ دعائیں قبول فرماتے ہیں۔ وہ "بـدریین" جن کے بارے میں نبی کریم ﷺ نے یہ پیشن گوئی فرمادی کہ اللہ تعالیٰ نے سارے اہل بدر، جنہوں نے بدر کی لڑائی میں حصہ لیا۔ بخشش فرمادی، ایسا معرکہ ہونے والا ہے۔

گردن پر تلوار رکھ کر لیا جانے والا وعدہ

بہرحال؛ جب حضور اقدس ﷺ سے ملاقات ہوئی تو حضرت حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے سارا قصہ سنادیا کہ اس طرح راستے میں ہمیں ابوجہل نے پکڑ لیا تھا۔ اور ہم نے وعدہ کرکے بمشکل جان چھڑائی کہ ہم لڑائی میں حصہ نہیں لیں گے، اور پھر درخواست کی کہ یا رسول اللہ! یہ بدر کا معرکہ ہونے والا ہے، آپ اس میں تشریف لے جارہے ہیں۔ ہماری بڑی خواہش ہے کہ ہم بھی اس میں شریک ہوجائیں، اور جہاں تک اس وعدے کا تعلق ہے، وہ تو انہوں نے ہماری گردن پر تلوار رکھ کر ہم سے وعدہ لیا تھا کہ ہم جنگ میں حصہ نہیں لیں گے، اور اگر ہم وعدہ نہ کرتے تو وہ ہمیں نہ چھوڑتے، اس لئے ہم نے وعدہ کرلیا، لیکن آپ ہمیں اجازت دیدیں۔ کہ ہم اس جنگ میں حصہ لے لیں، اور فضیلت اور سعادت ہمیں حاصل ہوجائے۔

(الاصابة ج ۱ ص ۳۱٦)

تم وعدہ کرکے زبان دے کر آئے ہو

لیکن سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب میں فرمایا کہ نہیں، تم وعدہ کرکے آئے ہو، اور زبان دے کر آئے ہو، اور اسی شرط پر تمہیں رہا کیا گیا ہے کہ تم وہاں جاکر محمد ﷺ کی زیارت کروگے، لیکن ان کے ساتھ جنگ میں حصہ نہیں لوگے، اس لئے میں تم کو جنگ میں

حصہ لینے کی اجازت نہیں دیتا۔

یہ وہ مواقع ہیں جہاں انسان کا امتحان ہوتا ہے کہ وہ اپنی زبان اور اپنے وعدے کا کتنا پاس کرتا ہے۔ اگر ہم جیسا آدمی ہوتا تو ہزار تاویلیں کر لیتا، مثلاً یہ تاویل کر لیتا کہ ان کے ساتھ جو وعدہ کیا تھا۔ وہ سچے دل سے تو نہیں کیا تھا، وہ تو ہم سے زبردستی لیا گیا تھا۔ اور خدا جانے کیا کیا تاویلیں ہمارے ذہنوں میں آجاتیں۔ یا یہ تاویل کر لیتا کہ یہ حالتِ عذر ہے اس لئے حضور اقدس ﷺ کے ساتھ جہاد میں شامل ہونا ہے اور کفر کا مقابلہ کرنا ہے۔ جبکہ وہاں ایک ایک آدمی کی بڑی قیمت ہے۔ اس لئے کہ مسلمانوں کے لشکر میں صرف ۳۱۳ نہتے افراد ہیں۔ جن کے پاس صرف ۷۰ اونٹ، ۲ گھوڑے اور ۸ تلواریں ہیں۔ باقی افراد میں سے کسی نے لاٹھی اٹھالی ہے، کسی نے ڈنڈے، اور کسی نے پتھر اٹھا لیے ہیں، یہ لشکر ایک ہزار مسلح سورماؤں کا مقابلہ کرنے کے لئے جارہا ہے، اس لئے ایک ایک آدمی کی جان قیمتی ہے۔ لیکن محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو بات کہہ دی گئی ہے، اور جو وعدہ کر لیا گیا ہے، اس وعدہ کی خلاف ورزی نہیں ہوگی۔

جہاد کا مقصد حق کی سربلندی

یہ جہاد کوئی ملک حاصل کرنے کے لئے نہیں ہو رہا ہے، کوئی اقتدار حاصل کرنے کے لئے نہیں ہو رہا ہے، بلکہ یہ جہاد حق کی سربلندی کے لئے ہو رہا ہے۔ اور حق کو پامال کر کے جہاد کیا جائے؟ گناہ کا ارتکاب کر کے اللہ تعالیٰ کے دین کا کام کیا جائے؟ یہ نہیں ہو سکتا۔ آج ہم لوگوں کی یہ ساری کوششیں بے کار جارہی ہیں، اور ساری کوششیں بے اثر ہو رہی ہیں۔ اسکی وجہ یہ ہے کہ ہم یہ چاہتے ہیں کہ گناہ کر کے اسلام کی تبلیغ کریں، گناہ کر کے اسلام کو نافذ کریں، ہمارے دل ودماغ پر ہر وقت ہزاروں تاویلیں مسلط رہتی ہیں، چنانچہ کہا جاتا ہے کہ

اس وقت مصلحت کا یہ تقاضہ ہے، چلو، شریعت کے اس حکم کو نظر انداز کر دو، اور یہ کہا جاتا ہے کہ اس وقت مصلحت اس کام کے کرنے میں ہے۔ چلو، یہ کام کرلو۔

یہ ہے وعدہ کا ایفاء

لیکن وہاں تو ایک ہی مقصود تھا۔ یعنی اللہ تعالیٰ کی رضا حاصل کرنا، نہ مال مقصود ہے، نہ فتح مقصود ہے، نہ بہادر کہلانا مقصود ہے، بلکہ مقصود یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ راضی ہو جائیں، اور اللہ تعالیٰ کی رضا اس میں ہے کہ جو وعدہ کرلیا جائے، اس کو نبھاؤ، چنانچہ حضرت حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور ان کے والد حضرت یمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ، دونوں کو غزوہ بدر جیسی فضیلت سے محروم رکھا گیا، اس لئے کہ یہ دونوں جنگ میں شرکت نہ کرنے پر زبان دے کر آئے تھے۔ یہ ہے وعدہ کا ایفاء۔

حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ

اگر آج اس کی مثال تلاش کریں تو اس دنیا میں ایسی مثالیں کہاں ملیں گی؟ ہاں! محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے غلاموں میں ایسی مثالیں مل جائیں گی۔ انہوں نے یہ مثالیں قائم کیں۔ حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان صحابہ کرام میں سے ہیں جن کے بارے میں لوگوں نے معلوم نہیں کیا کیا غلط قسم کے پروپیگنڈے کئے ہیں، اللہ تعالیٰ بچائے۔ آمین۔ لوگ ان کی شان میں گستاخیاں کرتے ہیں۔ ان کا ایک قصہ سن لیجئے۔

فتح حاصل کرنے کے لئے جنگی تدبیر

حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ چونکہ شام میں تھے۔ اس لئے روم کی حکومت سے ان کی ہر وقت جنگ رہتی تھی۔ ان کے ساتھ برسر پیکار رہتے تھے۔ اور روم اس وقت کی سپر پاور سمجھی جاتی تھی، اور بڑی عظیم الشان عالمی طاقت تھی۔ ایک مرتبہ حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ

عنہ نے ان کے ساتھ جنگ بندی کا معاہدہ کرلیا، اور ایک تاریخ متعین کرلی کہ اس تاریخ تک ہم ایک دوسرے سے جنگ نہیں کریں گے، ابھی جنگ بندی کی مدت ختم نہیں ہوئی تھی کہ اس وقت حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دل میں خیال آیا کہ جنگ بندی کی مدت تو درست ہے لیکن اس مدت کے اندر میں اپنی فوجیں رومیوں کی سرحد پر لیجا کر ڈال دوں، تاکہ جس وقت جنگ بندی کی مدت ختم ہو اس وقت میں فوراً حملہ کردوں، اس لئے کہ دشمن کے ذہن میں تو یہ ہوگا کہ جب جنگ بندی کی مدت ختم ہوگی۔ پھر کہیں جا کر لشکر روانہ ہوگا، اور یہاں آنے میں وقت لگے گا۔ اس لئے معاہدے کی مدت ختم ہوتے ہی فوراً مسلمانوں کا لشکر حملہ آور نہیں ہوگا، اس لئے وہ اس حملے کے لئے تیار نہیں ہوں گے۔ لہٰذا اگر میں اپنا لشکر سرحد پر ڈال دوں گا اور مدت ختم ہوتے ہی فوراً حملہ کردوں گا تو جلدی فتح حاصل ہو جائے گی۔

یہ معاہدے کی خلاف ورزی ہے

چنانچہ حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنی فوجیں سرحد پر ڈال دیں، اور فوج کا کچھ حصہ سرحد کے اندر ان کے علاقے میں ڈال دیا، اور حملے کے لئے تیار ہو گئے۔ اور جیسے ہی جنگ بندی کے معاہدے کی آخری تاریخ کا سورج غروب ہوا، فوراً حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے لشکر کو پیش قدمی کا حکم دیدیا، چنانچہ جب لشکر نے پیش قدمی کی تو یہ چال بڑی کامیاب ثابت ہوئی، اس لئے کہ وہ لوگ اس حملے کے لئے تیار نہیں تھے۔ اور حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا لشکر شہر کے شہر، بستیاں کی بستیاں فتح کرتا ہوا چلا جارہا تھا، اب فتح کے نشے کے اندر پورا لشکر آگے بڑھتا جارہا تھا کہ اچانک دیکھا کہ پیچھے سے ایک گھوڑا سوار دوڑتا چلا آرہا ہے، اس کو دیکھ کر حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس کے انتظار میں رک گئے

کہ شاید یہ امیر المؤمنین کا کوئی نیا پیغام لے کر آیا ہو، جب وہ گھوڑا سوار قریب آیا تو اس نے آوازیں دینا شروع کر دیں :

"الله اکبر ، الله اکبر ، قفوا عباد الله قفوا عباد الله"

اللہ کے بندو، ٹھہر جاؤ، اللہ کے بندو، ٹھہر جاؤ، جب وہ اور قریب آیا تو حضرت معاویہ نے دیکھا کہ وہ عمرو بن عبسہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں، حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے پوچھا کہ کیا بات ہے؟ انہوں نے فرمایا کہ :

" وفاء لا غدر وفاء لا غدر "

مؤمن کا شیوہ وفاداری ہے، غداری نہیں، عہد شکنی نہیں، حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ میں نے تو کوئی عہد شکنی نہیں کی ہے۔ میں نے تو اس وقت حملہ کیا ہے جب جنگ بندی کی مدت ختم ہوگئی تھی، حضرت عمرو بن عبسہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ اگر چہ جنگ بندی کی مدت ختم ہوگئی تھی۔ لیکن آپ نے اپنی فوجیں جنگ بندی کے دوران ہی سرحد پر ڈال دیں۔ اور فوج کا کچھ حصہ سرحد کے اندر بھی داخل کر دیا تھا۔ اور یہ جنگ بندی کے معاہدے کی خلاف ورزی تھی، اور میں نے اپنے کانوں سے حضور اقدس ﷺ کو یہ فرماتے سنا ہے کہ :

من كان بينه و بين قوم عهد فلا يحلنه و لا يشدنه

الى ان يمضى اجل له او ينبذ اليهم على سواء

(ترمذی ، کتاب الجہاد ، باب فی الغدر ، حدیث نمبر ۱۵۸۰)

یعنی جب تمہارا کسی قوم کے ساتھ معاہدہ ہو، تو اس وقت تک عہد نہ کھولے، اور نہ باندھے، یہاں تک کہ اس کی مدت نہ گزر جائے۔ یا ان کے سامنے پہلے کھلم کھلا یہ اعلان کر دے کہ ہم نے وہ عہد ختم کر دیا، لہٰذا مدت گزرنے سے پہلے یا عہد کے ختم کرنے کا اعلان

کئے بغیر ان کے علاقے کے پاس لیجا کر فوجوں کو ڈال دینا حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد کے مطابق آپ کے لئے جائز نہیں تھا۔

سارا مفتوحہ علاقہ واپس کر دیا

اب آپ اندازہ لگائیے کہ ایک فاتح لشکر ہے، جو دشمن کا علاقہ فتح کرتا ہوا جا رہا ہے، اور بہت بڑا علاقہ فتح کر چکا ہے، اور فتح کے نشے میں چور ہے۔ لیکن جب حضور اقدس ﷺ کا یہ ارشاد کان میں پڑا کہ اپنے عہد کی پابندی مسلمان کے ذمے لازم ہے۔ اسی وقت حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حکم دیدیا کہ جتنا علاقہ فتح کیا ہے۔ وہ سب واپس کر دو، چنانچہ پورا علاقہ واپس کر دیا، اور اپنی سرحد میں دوبارہ واپس آ گئے۔ پوری دنیا کی تاریخ میں کوئی قوم اس کی نظیر پیش نہیں کر سکتی کہ اس نے صرف عہد شکنی کی بنا پر اپنا مفتوحہ علاقہ اس طرح واپس کر دیا ہو۔ لیکن یہاں پر چونکہ کوئی زمین کا حصہ حاصل کرنا پیش نظر نہیں تھا۔ کوئی اقتدار اور سلطنت مقصود نہیں تھی۔ بلکہ مقصود اللہ تعالیٰ کو راضی کرنا تھا، اس لئے جب اللہ تعالیٰ کا حکم معلوم ہو گیا کہ وعدہ کی خلاف ورزی درست نہیں ہے، اور چونکہ یہاں وعدہ کی خلاف ورزی کا تھوڑا سا شائبہ پیدا ہو رہا تھا۔ اس۔ لئے واپس لوٹ گئے۔۔ یہ ہے وعدہ، کہ جب زبان سے بات نکل گئی، تو اب اس کی خلاف ورزی نہیں ہوگی۔

حضرت فاروق اعظم اور معاہدہ

حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جب بیت المقدس فتح کیا تو اس وقت وہاں پر جو عیسائی اور یہودی تھے، ان سے یہ معاہدہ ہوا کہ ہم تمہاری حفاظت کریں گے، تمہاری جان و مال کی حفاظت کریں گے، اور اس کے معاوضے میں تم ہمیں جزیہ ادا کرو گے۔ "جـــزیة" ایک ٹیکس ہوتا ہے، جو غیر مسلموں سے وصول کیا جاتا ہے۔ چنانچہ

جب معاہدہ ہو گیا تو وہ لوگ ہر سال جزیہ ادا کرتے تھے۔ ایک مرتبہ ایسا ہوا کہ مسلمانوں کا دوسرے دشمنوں کے ساتھ معرکہ پیش آ گیا، جس کے نتیجے میں وہ فوج جو بیت المقدس میں متعین تھی ان کی ضرورت پیش آئی۔ کسی نے یہ مشورہ دیا کہ اگر فوج کی کمی ہے تو بیت المقدس میں فوجیں بہت زیادہ ہیں اس لئے وہاں سے ان کو محاذ پر بھیج دیا جائے۔ حضرت فاروق اعظمؓ نے فرمایا کہ یہ مشورہ اور تجویز تو بہت اچھی ہے، اور فوجیں وہاں سے اٹھا کر محاذ پر بھیج دو، لیکن اس کے ساتھ ایک کام اور بھی کرو۔ وہ یہ کہ بیت المقدس کے جتنے عیسائی اور یہودی ہیں۔ ان سب کو ایک جگہ جمع کرو، اور ان سے کہو کہ ہم نے آپ کی جان و مال کی حفاظت کا ذمہ لیا تھا، اور یہ معاہدہ کیا تھا کہ آپ کی جان و مال کی حفاظت کریں گے، اور اس کام کے لئے ہم نے وہاں فوج ڈالی ہوئی تھی۔ لیکن اب ہمیں دوسری جگہ فوج کی ضرورت پیش آ گئی ہے، اس لئے ہم آپ کی حفاظت نہیں کر سکتے لہٰذا اس سال آپ نے ہمیں جو جزیہ بطور ٹیکس کے ادا کیا ہے، وہ ہم آپ واپس کر رہے ہیں، اور اس کے بعد ہم اپنی فوجوں کو یہاں سے لے جائیں گے۔ اور اب آپ اپنی حفاظت کا انتظام خود کریں۔ یہ مثالیں ہیں، اور میں کسی تردید کے خوف کے بغیر کہہ سکتا ہوں کہ دنیا میں کوئی قوم ایسی مثال پیش نہیں کر سکتی کہ کسی نے اپنے مخالف مذہب والوں کے ساتھ اس طرح کا معاملہ کیا ہو۔

بہر حال؛ مؤمن کا کام یہ ہے کہ وہ عہد اور وعدے کی پابندی کرے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں وعدے کی پابندی کی توفیق عطا فرمائے، اور ہر طرح کی عہد شکنی اور خلاف ورزی سے محفوظ رکھے، اس کی مزید تفصیل اگر اللہ تعالیٰ نے زندگی دی تو اگلے جمعہ کو عرض کروں گا۔

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

عہد اور وعدہ کا وسیع مفہوم

شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہم

ضبط و ترتیب
محمد عبداللہ میمن

میمن اسلامک پبلشرز
۱۸۸/۱۔ لیاقت آباد، کراچی ۱۹

مقام خطاب : جامع مسجد بیت المکرّم
گلشن اقبال کراچی

وقت خطاب : بعد نماز عصر تا مغرب

اصلاحی خطبات : جلد نمبر: ۱۵

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحمٰنِ الرَّحِیْم ط

عہد اور وعدہ کا وسیع مفہوم

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ نَحْمَدُہٗ وَ نَسْتَعِیْنُہٗ وَ نَسْتَغْفِرُہٗ وَ نُؤْمِنُ بِہٖ وَ نَتَوَکَّلُ عَلَیْہِ وَنَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَیِّئَاتِ اَعْمَالِنَا ۔ مَنْ یَّھْدِہِ اللّٰہُ فَلاَ مُضِلَّ لَہٗ وَ مَنْ یُّضْلِلْہُ فَلاَ ھَادِیَ لَہٗ وَاَشْھَدُ اَنْ لَّا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْکَ لَہٗ وَ اَشْھَدُ اَنَّ سَیِّدَنَا وَنَبِیَّنَا وَ مَوْلَانَا مُحَمَّداً عَبْدُہٗ وَ رَسُوْلُہٗ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَ عَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَبَارَکَ وَ سَلَّمَ تَسْلِیْماً کَثِیْراً۔

اَمَّا بَعْدُ ! فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ ○بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ○ قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ ○ اَلَّذِیْنَ ھُمْ فِیْ صَلَاتِھِمْ خٰشِعُوْنَ ○ وَ الَّذِیْنَ ھُمْ عَنِ اللَّغْوِ مُعْرِضُوْنَ ○ وَالَّذِیْنَ ھُمْ لِلزَّکٰوۃِ فٰعِلُوْنَ ○ وَ الَّذِیْنَ ھُمْ لِفُرُوْجِھِمْ حٰفِظُوْنَ ○ اِلَّا عَلٰی اَزْوَاجِھِمْ اَوْمَا مَلَکَتْ اَیْمَانُھُمْ فَاِنَّھُمْ غَیْرُ مَلُوْمِیْنَ ○ فَمَنِ ابْتَغٰی وَرَآءَ ذٰلِکَ فَاُولٰئِکَ ھُمُ الْعٰدُوْنَ ○ وَ الَّذِیْنَ ھُمْ لِاَمَانَاتِھِمْ وَ عَھْدِھِمْ رَاعُوْنَ ○

(سورۃالمؤمنون ۱ تا ۸)

آمنت باللّٰہ صدق اللّٰہ مولانا العظیم و صدق رسولہ النبی الکریم و

نحن علی ذلک من الشاھدین والشاکرین والحمد للّٰہ رب العٰلمین ،

تمہید

بزرگانِ محترم وبرادرانِ عزیز : گذشتہ جمعہ کو سورۃ المؤمنون کی اس آیت کا بیان کیا تھا جس میں اللہ تعالیٰ نے فلاح پانے والے مؤمنوں کی صفات بیان کرتے ہوئے یہ فرمایا کہ " وَالَّذِیْنَ ھُمْ لِاَمَانَاتِھِمْ وَعَھْدِھِمْ رَاعُوْنَ " یعنی یہ وہ لوگ ہیں جو اپنی امانتوں اور عہد کا پاس کرتے ہیں، اس کی رعایت رکھتے ہیں۔ قرآن کریم وحدیث شریف میں عہد اور وعدہ کی پابندی کی کتنی تاکید آئی ہے، اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی سیرت اور سنت میں اس کی کیسی عظیم مثالیں قائم فرمائی ہیں۔ اس کے بارے میں کچھ روایات اور واقعات گذشتہ جمعہ کو عرض کئے تھے۔ آج اس عہد کو پورا کرنے کے سلسلے میں ایک ایسی بات کی طرف توجہ دلانی ہے، جس کی طرف سے ہم لوگ بکثرت غفلت میں رہتے ہیں، یعنی بعض عہد ایسے ہیں جو ہم نے باندھے ہیں، لیکن دن رات اس کی خلاف ورزی کرتے رہتے ہیں۔ اور یہ خیال بھی دل میں نہیں آتا کہ ہم عہد کی خلاف ورزی کے مرتکب ہورہے ہیں۔ اور کوئی گناہ ہم سے سرزد ہورہا ہے۔

ملکی قانون کی پابندی لازم ہے

اس کی مثال یہ ہے کہ جو کوئی شخص جس ملک کا باشندہ ہوتا ہے، اور اس کی شہریت اختیار کرتا ہے تو وہ عملاً اس بات کا عہد کرتا ہے کہ میں اس ملک کے قانون کی پابندی کروں گا، اب اگر آپ کسی ملک کی شہریت حاصل کرنا چاہتے ہیں، اور درخواست دیتے ہوئے یہ کہہ دیں کہ میں آپ کے ملک کی شہریت تو چاہتا ہوں، لیکن آپ کے قانون پر عمل نہیں

کروں گا، تو کیا دنیا کا کوئی ملک ایسا ہے جو آپ کو شہریت دینے پر تیار ہو جائے؟ لہٰذا جب کوئی انسان کسی ملک کی شہریت اختیار کرتا ہے تو وہ یا تو زبان سے یا عملاً یہ معاہدہ کرتا ہے کہ میں اس ملک کے قوانین کی پابندی کروں گا، جیسے ہم اس ملک کے اندر پیدا ہوئے ہیں، تو شہریت حاصل کرنے کے لئے ہمیں زبانی درخواست دینے کی ضرورت تو پیش نہیں آئی، لیکن عملاً یہ معاہدہ کر لیا کہ ہم اس ملک کے قوانین کی پابندی کریں گے، لہٰذا شہری ہونے کے ناطے ہم اس ملک کے قانون کی پابندی کرنے کا عہد کر چکے ہیں۔

خلافِ شریعت قانون کی مخالفت کریں

البتہ مسلمان کا جو عہد ہوتا ہے، چاہے وہ کسی شخص سے ہو، یا کسی ادارے سے ہو، یا حکومت سے ہو۔ وہ ایک بنیادی عہد کا پابند ہوتا ہے، یہ بنیادی عہد وہ ہے جو ایک مسلمان نے کلمہ شہادت " اشهد ان لا اله الا الله و اشهد ان محمداً رسول الله " پڑھتے ہوئے کیا، اس عہد کا مطلب یہ ہے کہ میں اللہ تعالیٰ کو اپنا معبود مانتا ہوں، لہٰذا اللہ تعالیٰ کے ہر حکم کی تعمیل کروں گا، اور جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ کا سچا رسول مانتا ہوں، لہٰذا آپ کے ہر حکم کی اطاعت کروں گا۔ یہ سب سے پہلا عہد ہے جو انسان نے مسلمان ہوتے ہی کر لیا ہے، یہ عہد تمام عہدوں پر بالا ہے، اس کے اوپر کوئی اور عہد نہیں ہو سکتا ہے، لہٰذا اگر اس کے بعد آپ کسی سے کوئی عہد کرتے ہیں مثلاً کسی حکومت سے یا کسی ادارے سے یا کسی شخص سے کوئی عہد کرتے ہیں، اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ جب تک آپ کا قانون مجھے اللہ کے کسی قانون کے خلاف کام کرنے پر مجبور نہ کرے اس وقت تک میں آپ کی اطاعت کروں گا۔ اگر کوئی قانون ایسا ہے جو مجھے اللہ کی نافرمانی پر مجبور کرتا ہے، تو اس قانون کی اطاعت واجب نہیں۔ بلکہ اس قانون کی مخالفت واجب ہے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام اور فرعون کا قانون

اس کی مثال میں حضرت والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا قصہ سنایا کرتے تھے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام فرعون کے ملک میں رہتے تھے، اور نبی بننے سے پہلے ایک قبطی کو مکا مار کر قتل کر دیا تھا، جس کا واقعہ مشہور ہے، اور قرآن کریم نے بھی اس واقعہ کو ذکر کیا ہے اور حضرت موسیٰ علیہ السلام اس قتل پر استغفار کیا کرتے تھے، اور فرماتے تھے:

لهم علی ذنب (سورۃ الشعراء : ۱۴)

یعنی میرے اوپر ان کا ایک گناہ ہے اور میں نے ان کا ایک جرم کیا ہے، حضرت موسیٰ علیہ السلام اس کو جرم اور گناہ قرار دیتے تھے اور اس پر استغفار فرمایا کرتے تھے، اگر چہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے یہ قتل جان بوجھ کر نہیں کیا تھا، بلکہ ایک مظلوم کی مدد فرمائی تھی اور یہ اندازہ نہیں تھا کہ ایک مکا مارنے سے وہ مر جائے گا، اس لئے یہ حقیقۃً گناہ نہیں تھا، اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کی عصمت کے منافی بھی نہیں تھا، لیکن چونکہ صورت گناہ کی سی تھی، اس لئے آپ نے اسے گناہ سے تعبیر فرمایا، اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ وہ قبطی جس کو موسیٰ علیہ السلام نے قتل کیا تھا وہ تو کافر تھا، اور کافر بھی حربی تھا، لہٰذا اگر اسے جان بوجھ کر بھی قتل کرتے تو اس حربی کافر کو قتل کرنے میں کیا گناہ ہوا؟ حضرت والد صاحب قدس اللہ سرہٗ فرمایا کرتے تھے کہ یہ اس لئے گناہ ہوا کہ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام ان کے شہر میں رہ رہے ہیں تو عملاً اس بات کا وعدہ کر رکھا ہے کہ ہم آپ کے ملک کے قوانین کی پابندی کریں گے، اور ان کا قانون یہ تھا کہ کسی کو قتل کرنا جائز نہیں، اس لئے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جو قتل کیا، وہ اس قانون کی خلاف ورزی میں کیا، لہٰذا ہر حکومت کا ہر شہری، چاہے حکومت مسلمان ہو یا غیر مسلم حکومت ہو، عملاً اس بات کا وعدہ کرتا ہے کہ وہ اس ملک کے قوانین کی پابندی کرے گا، جب تک وہ قانون کسی گناہ پر مجبور نہ کرے۔

ویزا لینا ایک معاہدہ ہے

لیکن جو قانون مجھے اللہ تعالیٰ کے قانون کی خلاف ورزی کرنے پر مجبور نہیں کر رہا ہے، بلکہ کوئی ایسا حکم مجھ پر عائد کر رہا ہے جس سے کوئی معصیت اور کوئی گناہ لازم نہیں آتا تو اس قانون کی پابندی بحیثیت اس ملک کے شہری ہونے کے مجھ پر واجب ہے، اس میں مسلمان ملک ہونا بھی ضروری نہیں، بلکہ اگر آپ کسی غیر مسلم ملک کا ویزا لے کر وہاں جاتے ہیں۔تو ویزا لینے کا مطلب یہ ہے کہ آپ نے اس ملک سے درخواست کی ہے کہ میں آپ کے ملک میں آنا چاہتا ہوں، اور آپ کے ملک کے قانون کی پابندی کروں گا جب تک وہ قانون مجھے کسی گناہ پر مجبور نہیں کرے گا۔ یہ ایک عہد ہے، اس کا نتیجہ یہ ہے کہ جس ملک میں انسان رہتا ہے، اس ملک کے قانون کی پابندی بھی اس پر اس کے عہد کی پابندی کی وجہ سے لازم ہوگی۔

اس وقت قانون توڑنے کا جواز تھا

آج ہمارے معاشرے میں یہ فضا عام ہوگئی ہے کہ قانون شکنی کو ہنر سمجھا جاتا ہے، قانون کو علانیہ توڑا جاتا ہے، اور اس کو بڑی ہوشیاری اور چالاکی سمجھا جاتا ہے، یہ ذہنیت درحقیقت اس وجہ سے پیدا ہوئی کہ جب ہم ہندوستان میں رہتے تھے، اور وہاں انگریز کی حکومت تھی، انگریز غاصب تھا، اس نے ہندوستان پر غاصبانہ قبضہ کیا تھا، اور مسلمانوں نے اس کے خلاف آزادی کی جنگ لڑی، ۱۸۵۷ء کے موقع پر اور بعد میں بھی اس کے ساتھ لڑائی کا سلسلہ جاری رہا، اور انگریز کی حکومت کو مسلمانوں نے کبھی دل و جان سے تسلیم نہیں کیا۔ لہٰذا ہندوستان میں انگریز کی حکومت کے خلاف علماء کرام نے یہ فتویٰ بھی دیا کہ قانون توڑو، کیونکہ انگریز کی حکومت جائز حکومت نہیں ہے، اگرچہ بعض علماء اس فتوی کی مخالفت کرتے تھے، بہر حال؛ اس وقت قانون توڑنے کا ایک جواز تھا۔

اب قانون توڑنا جائز نہیں

لیکن انگریز کے چلے جانے کے بعد جب پاکستان بنا، تو یہ ایک معاہدے کے تحت وجود میں آیا، اس کا ایک دستور اور قانون ہے، اور پاکستان کے قانون پر بھی یہی حکم عائد ہوتا ہے کہ جب تک وہ قانون ہمیں کسی گناہ پر مجبور نہ کرے اس وقت تک اس کی پابندی واجب ہے، اس لئے کہ ہم نے عہد کیا ہے کہ ہم اس ملک کے شہری ہیں، اس لئے ہم اس کے قانون کی پابندی کریں گے۔

ٹریفک کے قانون کی پابندی

اب آپ ٹریفک کے قوانین لے لیجئے۔ قانوناً بعض مقامات پر گاڑی کھڑی کرنا جائز ہے، اور بعض مقامات پر ناجائز ہے، جہاں گاڑی کھڑی قانوناً منع ہے وہاں گاڑی کھڑی کرنے میں قانون کی بھی خلاف ورزی ہے، اور عہد کی بھی خلاف ورزی ہے، اس لئے کہ آپ نے یہ عہد کیا ہے کہ میں اس قانون کی پابندی کروں گا۔ بعض مقامات پر گاڑی کی رفتار متعین کر دی جاتی ہے کہ اس رفتار پر گاڑی چلا سکتے ہیں، اس سے زیادہ رفتار پر گاڑی چلانے میں قانون کی خلاف ورزی تو ہے لیکن اس کے ساتھ ساتھ عہد کی خلاف ورزی ہونے کی وجہ سے شرعاً بھی گناہ ہے۔ یا مثلاً سگنل بند تھا، مگر آپ سگنل توڑ کر نکل گئے، آپ اس کو بڑی دلاوری اور بہادری سمجھ رہے ہیں کہ ہم سگنل توڑ کر نکل گئے۔ لیکن یہ بھی درحقیقت گناہ ہے، گناہ اس لئے ہے کہ آپ ایسے قانون کی خلاف ورزی کر رہے ہیں جو ہمیں کسی گناہ پر مجبور نہیں کر رہا ہے، بلکہ فلاح عامہ سے متعلق ایک قانون ہے، اس کی خلاف ورزی کرنا معاہدے کی خلاف ورزی ہے، اور اس آیت کی خلاف ورزی ہے جو میں نے ابھی آپ کے سامنے تلاوت کی۔

ویزے کی مدت سے زیادہ قیام کرنا

اسی طرح جب آپ دوسرے کسی ملک میں ویزا لے کر جاتے ہیں تو گویا کہ آپ نے معاہدہ کیا ہے کہ ویزے کی جو مدت ہے اس مدت تک میں وہاں ٹھہروں گا، اس کے بعد واپس آجاؤں گا۔ اب اگر آپ مدت گزرنے کے بعد مزید وہاں قیام کر رہے ہیں تو معاہدے کی خلاف ورزی کر رہے ہیں۔ اور جتنے دن آپ وہاں قیام کر رہے ہیں وعدہ کی خلاف ورزی کا گناہ آپ پر لازم آرہا ہے۔

آج ہماری پاکستانی قوم ساری دنیا میں بدنام ہے، لوگ پاکستانی کا نام سن کر پد کتے ہیں، پاکستانی پاسپورٹ دیکھ کر شک میں پڑ جاتے ہیں کہ معلوم نہیں یہ کیا دھوکہ دے رہا ہوگا۔ اس کی وجہ یہی ہے کہ یہاں سے گئے، اور وہاں جا کر ان کو اس بات کی کوئی پرواہ نہیں ہوتی کہ ہمارے ویزے کی مدت ختم ہو چکی ہے، پھر ذلیل وخوار ہو کر نکالے جاتے ہیں، بعض اوقات جیلوں میں بند کر دیے جاتے ہیں، تکلیفیں بھی اٹھاتے ہیں۔ اس طرح دنیا کا بھی خسارہ اور آخرت کا بھی خسارہ، دنیا کے اندر یہ ذلت حاصل ہو رہی ہے، اور آخرت میں عہد شکنی کا گناہ ہو رہا ہے۔

ظالم حکومت کے قوانین کی پابندی بھی لازم ہے

بعض لوگ آج کل یہ دلیل بھی پیش کرتے ہیں کہ آج کل ہمارے ملک میں جو حکومتیں ہیں، وہ خود ظالم حکومتیں ہیں، رشوت خور ہیں، بدعنوان ہیں، مفاد پرست ہیں، اپنے مفاد کی خاطر پیسے لوٹ رہے ہیں، لہٰذا ایسی حکومت کے قوانین کی پابندی ہم کیوں کریں؟

خوب سمجھ لیجئے! جیسا کہ پچھلے جمعہ میں عرض کیا تھا کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے تو ابوجہل سے کئے ہوئے معاہدے کا بھی احترام کیا، کیا ابوجہل سے زیادہ گمراہ کوئی ہوگا؟ کیا

ابو جہل سے بڑا کافر کوئی ہوگا؟ لیکن وہ وعدہ جو حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور ان کے والد نے ابو جہل سے کیا تھا، اور ابو جہل نے زبردستی ان سے وعدہ لیا تھا، رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم چونکہ ابو جہل سے وعدہ کر چکے ہو، لہٰذا اس وعدہ کی خلاف ورزی نہیں ہوگی۔ معلوم ہوا کہ جس شخص سے آپ عہد کر رہے ہیں وہ چاہے کافر ہی کیوں نہ ہو، چاہے وہ فاسق ہو، بدعنوان ہو، رشوت خور ہو، لیکن جب آپ نے اس سے عہد کیا ہے تو اب اس عہد کی پابندی آپ کے ذمے لازم ہوگی۔ ان کے ظلم اور ان کے فسق و فجور کا گناہ ان کے سر ہے، ان کی بدعنوانیوں کا بدلہ اللہ تعالیٰ ان کو آخرت میں دیں گے، وہ جانیں ان کا اللہ جانے۔ ہمارا کام یہ ہے کہ ہم نے جو معاہدہ کیا ہے، ہم اس کی پابندی کریں۔

خیانت کرنے والے سے خیانت مت کرو

حدیث شریف میں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

" و لا تخن من خانک "

دو لفظوں کا جملہ ہے، لیکن رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کیسا عظیم اور سنہرا اصول ان دو لفظوں میں بیان فرما دیا، فرمایا کہ جو تم سے خیانت کرے، تم اس کے ساتھ خیانت کا معاملہ مت کرو، وہ اگر خیانت کر رہا ہے، وہ اگر دھوکہ باز ہے، وہ اگر بدعنوان ہے، اسکا یہ مطلب نہیں کہ تم بھی بدعنوانی شروع کر دو، تم بھی اس ساتھ خیانت کرو، تم بھی اس کے ساتھ عہد شکنی کرو، تم بھی گناہ کا ارتکاب کرو۔ بلکہ ان کا عمل ان کے ساتھ ہے، تمہارا عمل تمہارے ساتھ ہے، لہٰذا حکومت چاہے کتنی ہی بری کیوں نہ ہو، لیکن اگر آپ نے اس کے ساتھ کوئی معاہدہ کر لیا ہے تو اس معاہدے کی پابندی تمہارے اوپر لازم ہے۔

صلح حدیبیہ کی ایک شرط

آپ نے سنا ہوگا کہ "صلح حدیبیہ" کے موقع پر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مشرکین مکہ سے ایک صلح نامہ لکھا تھا، اس صلح نامہ کی ایک شرط یہ تھی کہ اگر مکہ مکرمہ سے کوئی شخص مسلمان ہوکر مدینہ منورہ جائے گا تو مسلمانوں پر اس شخص کو واپس کرنا واجب ہوگا۔ اور اگر کوئی شخص مدینہ منورہ سے مکہ مکرمہ آجائے گا تو مکہ والوں پر یہ واجب نہیں ہوگا کہ اس کو واپس کریں۔ یہ ایک امتیازی قسم کی شرط تھی جو مشرکینِ مکہ نے رکھی تھی، لیکن حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس وقت مصلحت کے لحاظ سے اس شرط کو بھی قبول کرلیا تھا، اس لئے کہ آپ جانتے تھے کہ انشاء اللہ تعالیٰ مدینہ منورہ سے تو کوئی شخص مرتد ہوکر مکہ مکرمہ نہیں جائے گا، اس وجہ سے آپ نے یہ شرط قبول کرلی تھی، لیکن یہ شرط کہ اگر کوئی شخص ہجرت کرکے مکہ مکرمہ سے مدینہ منورہ آئے گا تو اس کو واپس مکہ مکرمہ بھیجا جائے گا، یہ شرط بھی مصلحتاً آپ نے قبول فرمائی تھی۔

حضرت ابوجندل رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی التجاء

ابھی صلح نامہ لکھا جارہا تھا، اور ابھی بات چیت ہورہی تھی کہ اس دوران حضرت ابوجندل رضی اللہ تعالیٰ عنہ جو ایک صحابی تھے، اور مکہ مکرمہ میں مسلمان ہوگئے تھے، اور ان کا باپ کافر تھا، اس نے ان کے مسلمان ہونے کی وجہ سے ان کے پاؤں میں بیڑیاں ڈال دی تھیں، اور روزانہ ان کو مارتا تھا، یہ بیچارے روزانہ اسلام کی خاطر اپنے باپ کے ظلم وستم کا سامنا کرتے تھے، جب ان کو پتہ چلا کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم حدیبیہ کے مقام پر آئے ہوئے ہیں۔ اور وہاں ان کا لشکر ٹھہرا ہوا ہے تو وہ کسی طرح ان بیڑیوں کے ساتھ مکہ مکرمہ سے حدیبیہ پہنچ گئے، اب آپ اندازہ لگائیں کہ وہ کس طرح وہاں پہنچے ہوں گے جبکہ

''حدیبیہ'' کا مقام مکہ مکرمہ سے دس میل کے فاصلے پر ہے۔ وہ کس مشقت اور تکلیف کے ساتھ پاؤں میں بیڑیاں ہونے کے باوجود وہاں پہنچے ہوں گے۔ اور آ کر عرض کیا کہ یا رسول اللہ! میری زندگی اجیرن ہو چکی ہے، باپ نے میرے پاؤں میں بیڑیاں ڈالی ہوئی ہیں، وہ صبح شام مجھے مارتا ہے، خدا کے لئے مجھے اس ظلم سے بچایئے، میں آپ کے پاس آنا چاہتا ہوں۔

ابوجندل کو واپس کرنا ہوگا

وہ شخص جس کے ساتھ معاہدہ ہو رہا تھا، وہ اس وقت وہاں موجود تھا، اس شخص سے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ شخص بہت ستم رسیدہ ہے، کم از کم اس کی اجازت دیدو کہ میں اس شخص کو اپنے پاس رکھ لوں۔ اس شخص نے کہا کہ اگر آپ اس کو اپنے پاس رکھیں گے تو آپ سب سے پہلے غداری کے مرتکب ہوں گے، کیونکہ آپ نے عہد کر لیا ہے کہ جو شخص بھی مکہ مکرمہ سے آپ کے پاس آئے گا آپ اس کو واپس کریں گے۔ حضور اقدس ﷺ نے فرمایا کہ یہ شخص مظلوم ہے، اس کے پاؤں میں بیڑیاں پڑی ہوئی ہیں، اور ابھی معاہدہ مکمل بھی نہیں ہوا ہے، اس پر ابھی دستخط ہونا باقی ہے۔ اس لئے اس شخص کو تم چھوڑ دو۔ اس شخص نے کہا کہ میں کسی قیمت پر اس شخص کو نہیں چھوڑوں گا، اس کو واپس بھیجنا ہوگا، اب اس وقت صحابہ کرام کے جوش و خروش کا ایک عجیب عالم تھا کہ ایک شخص مسلمان ہے، کافروں ہاتھوں ظلم و ستم کی چکی میں پس رہا ہے، وہ حضور اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر پناہ چاہتا ہے۔ لیکن اس کو پناہ نہیں ملتی۔

میں معاہدہ کر چکا ہوں

چونکہ معاہدہ ہو چکا تھا، اس لئے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوجندل رضی

اللہ تعالیٰ عنہ سے فرمایا کہ اے ابو جندل! میں نے تمہیں اپنے پاس رکھنے کی بہت کوشش کی، لیکن میں معاہدہ کر چکا ہوں، اور اس معاہدے کی وجہ سے مجبور ہوں، اور میرے پاس اس کے علاوہ کوئی چارہ نہیں ہے کہ تمہیں واپس بھیجوں۔ انہوں نے فرمایا: یارسول اللہ آپ مجھے درندوں کے پاس واپس بھیجیں گے؟ جو صبح شام میرے ساتھ درندگی کا برتاؤ کرتے ہیں۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں مجبور ہوں، اللہ تعالیٰ تمہارے لئے کوئی راستہ نکالیں گے۔ میں چونکہ عہد کر چکا ہوں، اس عہد کی پابندی کرنی ضروری ہے۔

عہد کی پابندی کی مثال

آپ اندازہ لگایئے، اس سے زیادہ عہد کی پابندی کی کوئی مثال شاید دنیا نہ پیش کر سکے کہ ایسے ستم رسیدہ شخص کو واپس کر دیا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے ان کی رہائی کے لئے اور اسباب پیدا کر دیے، جس کا لمبا واقعہ ہے۔ بہر حال؛ میں یہ عرض کر رہا تھا کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کافروں کے ساتھ بھی عہد کی کس قدر پابندی فرمائی۔ لہٰذا مسئلہ یہ نہیں ہے کہ جس کے ساتھ ہم نے عہد کیا ہے، وہ کافر ہے، یا فاسق ہے، یا بدعنوان ہے، یا رشوت خور ہے، جب عہد کر لیا تو اب اس کی پابندی ضروری ہے۔ ہاں، یہ ضروری ہے کہ ایسے رشوت خور کرپٹ حکام کو ہٹا کر ان کی جگہ دوسرے عادل حکمران لانے کی کوشش اپنی جگہ لازم اور ضروری ہے، لیکن جہاں تک عہد کا تعلق ہے، اگر ان حکام کے ساتھ کوئی عہد کیا ہے تو اس عہد کی پابندی ضروری ہے۔

جیسے اعمال ویسے حکمران

یاد رکھیے: ہم ہر وقت یہ جو حکومت کا رونا روتے رہتے ہیں، اس بارے میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد سن لیں۔ کاش کہ ہماری سمجھ میں آجائے، اور ہمارے دل

میں اتر جائے۔آپ نے فرمایا :

" اِنَّمَا اَعْمَالُكُمْ عُمَّالُكُمْ "

یعنی تمہارے حکمران تمہارے اعمال کا عکس ہیں۔اگر تمہارے اعمال درست ہوں گے تو تمہارے حکمران بھی درست ہوں گے،اگر تمہارے اعمال خراب ہوں گے تو تمہارے حکام بھی خراب ہوں گے،اللہ تعالیٰ کی سنت یہی ہے۔لہٰذا اگر ہم اپنے معاملات،اپنی عبادات، اپنی معاشرت،اپنے اخلاق کو دین کے مطابق کرلیں تو میں دعوے کے ساتھ کہہ سکتا ہوں کہ یہ کرپٹ اور بدعنوان اور خطا کار حکمران جو ہم پر مسلط ہو رہے ہیں،انشاءاللہ ثم انشاءاللہ،اللہ تعالیٰ ہمیں ان کی جگہ عادل حکمران عطا فرمائیں گے۔لیکن پہلے ہم اپنے حصے کا کام کریں اور پھر اللہ تعالیٰ سے مانگیں،اللہ تعالیٰ ضرور فضل فرمائیں گے۔اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے اپنی رحمت سے عہد کی پابندی کی جتنی اقسام ہیں،ان سب پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے،اور ان آیات کریمہ میں ہماری فلاح کے جو طریقے بتائے گئے ہیں،اللہ تعالیٰ ان کو ہماری زندگیوں کے اندر پیوست فرمادے۔آمین

و آخر دعوانا ان الحمد لله رب العٰلمین

نماز کی حفاظت کیجئے

شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہم

ضبط و ترتیب
محمد عبداللہ میمن

میمن اسلامک پبلشرز
۱۸۸/۱۔ لیاقت آباد، کراچی ۱۹

مقام خطاب : جامع مسجد بیت المکرّم
گلشن اقبال کراچی

وقت خطاب : بعد نماز عصر تا مغرب

اصلاحی خطبات : جلد نمبر: ۱۵

بِسْمِ اللّٰہ الرَّحمٰنِ الرَّحِیْم ط

نماز کی حفاظت کیجئے

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ نَحْمَدُہٗ وَ نَسْتَعِیْنُہٗ وَ نَسْتَغْفِرُہٗ وَ نُؤْمِنُ بِہٖ وَ نَتَوَکَّلُ عَلَیْہِ وَنَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَیِّئَاتِ اَعْمَالِنَا۔ مَنْ یَّھْدِہِ اللّٰہُ فَلَا مُضِلَّ لَہٗ وَ مَنْ یُّضْلِلْہُ فَلَا ھَادِیَ لَہٗ وَ اَشْھَدُ اَنْ لَّا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْکَ لَہٗ وَ اَشْھَدُ اَنَّ سَیِّدَنَا وَنَبِیَّنَا وَ مَوْلَانَا مُحَمَّداً عَبْدُہٗ وَ رَسُوْلُہٗ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَ عَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَبَارَکَ وَسَلَّمَ تَسْلِیْماً کَثِیراً۔

أَمَّا بَعْدُ ! فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ ○ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ○ قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ ○ اَلَّذِیْنَ ھُمْ فِیْ صَلَاتِھِمْ خٰشِعُوْنَ ○ وَ الَّذِیْنَ ھُمْ عَنِ اللَّغْوِ مُعْرِضُوْنَ ○ وَالَّذِیْنَ ھُمْ لِلزَّکٰوۃِ فٰعِلُوْنَ ○ وَ الَّذِیْنَ ھُمْ لِفُرُوْجِھِمْ حٰفِظُوْنَ ○ اِلَّا

عَلٰی اَزْوَاجِهِمْ اَوْمَا مَلَکَتْ اَیْمَانُهُمْ فَاِنَّهُمْ غَیْرُ مَلُوْمِیْنَ o فَمَنِ ابْتَغٰی وَرَآءَ ذٰلِکَ فَاُولٰٓئِکَ هُمُ الْعٰدُوْنَ o وَالَّذِیْنَ هُمْ لِاَمَانَاتِهِمْ وَ عَهْدِهِمْ رَاعُوْنَ o وَالَّذِیْنَ هُمْ عَلٰی صَلَوٰتِهِمْ یُحَافِظُوْنَ o اُولٰٓئِکَ هُمُ الْوَارِثُوْنَ o الَّذِیْنَ یَرِثُوْنَ الْفِرْدَوْسَ ط هُمْ فِیْهَا خٰلِدُوْنَo

(سورۃ المؤمنون : ۱ تا ۱۱)

آمنت باللّٰه صدق اللّٰه مولانا العظیم وصدق رسوله النبی الکریم و نحن علی ذٰلک من الشّاهدین و الشّاکرین والحمد للّٰه ربّ العٰلمین

تمہید

بزرگانِ محترم و برادرانِ عزیز : یہ سورۃ المؤمنون کی ابتدائی آیات ہیں، جن کا بیان کافی عرصہ سے چل رہا ہے، ان آیات میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے مؤمنوں کی صلاح وفلاح کے لئے جو صفات ضروری ہیں، ان صفات کا ذکر فرمایا ہے، الحمدللہ، ان تمام صفات کا بیان تفصیل سے ہو چکا ہے، آج اس سلسلے کا آخری بیان ہے، یہ بیان اس آخری آیت کے بارے میں ہے جو مؤمنوں کی صفات کے بیان میں ہے، وہ آیت یہ ہے:

وَالَّذِیْنَ هُمْ عَلٰی صَلَوٰتِهِمْ یُحَافِظُوْنَ o اُولٰٓئِکَ هُمُ

الْوَارِثُوْنَ o الَّذِیْنَ یَرِثُوْنَ الْفِرْدَوْسَ ط هُمْ فِیْهَا خٰلِدُوْنَ o

یعنی یہ وہ لوگ ہیں جو اپنی نمازوں کی پابندی اور حفاظت کرنے والے ہیں، اور یہی لوگ جنت الفردوس کے وارث ہوں گے، اور اس میں ہمیشہ رہیں گے۔ جنت الفردوس جنت کے اندر اعلیٰ مقام ہے۔

تمام صفات ایک نظر میں

یادداشت کو تازہ کرنے کے لئے آخر میں پھر ایک مرتبہ ان تمام اوصاف پر نظر ڈال لیتے ہیں جو اللہ تعالیٰ نے ان آیات کریمہ میں بیان فرمائے ہیں۔ فرمایا کہ وہ مؤمن فلاح یافتہ ہیں جن کی صفات یہ ہیں، نمبر (۱) وہ اپنی نماز میں خشوع اختیار کرنے والے ہیں، نمبر (۲) وہ مؤمن جو لغو، فضول اور بے فائدہ کاموں سے اعراض کرنے والے ہیں، نمبر (۳) وہ مؤمن جو زکوٰۃ پر عمل کرنے والے ہیں، اس سلسلے میں میں نے بتایا تھا کہ اس کے دو معنیٰ ہیں، ایک یہ کہ وہ زکوٰۃ ادا کرتے ہیں جو ان کے ذمے فرض ہے، دوسرے معنیٰ ہیں کہ وہ اپنے اخلاق کو برائیوں سے پاک کرتے ہیں، لہٰذا نمبر (۴) یہ ہوا کہ وہ اپنے اخلاق کو بری عادتوں سے پاک کرنے والے ہیں، نمبر (۵) یہ ہے کہ وہ اپنی شرم گاہوں کی حفاظت کرنے والے ہیں، سوائے اپنی بیویوں اور اپنی زرخیز کنیزوں کے، پہلے زمانے میں کنیزیں ہوتی تھیں، ان سے جنسی خواہش پوری کرنا جائز تھا، ان کا ذکر ہے۔ یعنی وہ لوگ اپنی جنسی خواہش کو قابو میں رکھتے ہیں، اور

صرف اپنی بیویوں کے ساتھ یا جن کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے جن کنیزوں کے ساتھ یہ تعلق قائم کرنے کو حلال قرار دیا ہے، صرف ان کے ساتھ قائم کرتے ہیں، ایسے لوگوں پر کوئی ملامت نہیں۔ البتہ جو شخص ان کے علاوہ جنسی خواہش کو پورا کرنے کا کوئی راستہ تلاش کرے گا، وہ حد سے گزرنے والا ہے، اور اللہ تعالیٰ کے یہاں مجرم ہے، نمبر (۶) یہ ہے کہ وہ مؤمن اپنی امانتوں کا پاس کرنے والے ہیں، یعنی جو امانت ان کے پاس رکھوادی گئی ہے اس میں خیانت نہیں کرتے، نمبر (۷) یہ ہے کہ وہ ''عہد'' کا پاس کرنے والے ہیں، جو عہد کسی سے کرلیا وہ اس کی عہد شکنی نہیں کرتے، ان سب صفات کا بیان تفصیل سے الحمد للہ ہو چکا ہے۔

پہلی اور آخری صفت میں یکسانیت

آخر میں اللہ تعالیٰ نے آٹھویں صفت یہ بیان فرمائی ''وَالَّذِيْنَ هُمْ عَلٰى صَلَوٰتِهِمْ يُحَافِظُوْنَ'' وہ مؤمن کامیاب ہیں جو اپنی نمازوں کی حفاظت کرنے والے ہیں، قرآن کریم نے یہ آٹھ صفات بیان فرمائی ہیں جو مؤمنوں کی فلاح کے لئے ضروری ہیں۔ ان صفات کو شروع بھی نماز سے کیا گیا، اور نماز ہی پر ختم کیا گیا، چنانچہ سب سے پہلی صفت یہ بیان فرمائی تھی کہ جو لوگ اپنی نمازوں میں خشوع اختیار کرنے والے ہیں، اور آخری صفت یہ بیان فرمائی کہ جو لوگ اپنی نمازوں کی حفاظت کرنے والے ہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ مؤمن کے لئے

فلاح حاصل کرنے کا سب سے اہم راستہ ''نماز'' ہے۔نماز میں خشوع اختیار کرنے کا مطلب پہلے تفصیل سے عرض کر دیا تھا۔

نماز کی پابندی اور وقت کا خیال

نماز کی حفاظت میں بہت سی چیزیں داخل ہیں، ایک یہ کہ انسان نماز کی پابندی کرے، یہ نہ ہو کہ آدمی گنڈے دار نماز پڑھے، کبھی پڑھے اور کبھی چھوڑ دے، بلکہ پابندی کے ساتھ آدمی نماز کا اہتمام کرے۔ دوسرا مفہوم یہ ہے کہ نماز کے اوقات کا پورا خیال رکھے، اللہ تعالیٰ نے یہ نمازیں اوقات کے ساتھ مشروط رکھی ہیں، چنانچہ ارشاد فرمایا:

اِنَّ الصَّلاۃَ کَانَتْ عَلَی الْمُؤمِنِیْنَ کِتَاباً مَوْقُوْتاً

(النساء: ۱۰۳)

یعنی نماز اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک ایسا فریضہ ہے، جس کا اللہ تعالیٰ نے وقت مقرر کیا ہے کہ فلاں نماز کا وقت اتنے بجے شروع ہوتا ہے، اور اتنے بجے ختم ہوتا ہے، جیسے نماز فجر کا وقت صبح صادق سے شروع ہوتا ہے، اور طلوع آفتاب پر ختم ہو جاتا ہے، ظہر کا وقت زوالِ آفتاب سے شروع ہوتا ہے، اور ہر چیز کا سایہ دو مثل ہونے پر ختم ہو جاتا ہے، عصر کا وقت دو مثل پر شروع ہوتا ہے، اور غروب آفتاب پر ختم ہو جاتا ہے۔ اس طرح ہر نماز کا ایک خاص وقت مقرر ہے۔ لہٰذا صرف نماز کی پابندی نہیں، بلکہ نمازوں کے اوقات کی بھی پابندی ہے کہ وقت پر انسان نماز

پڑھے۔

یہ منافق کی نماز ہے

ایک حدیث شریف میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ یہ منافق کی نماز ہوتی ہے کہ عصر کی نماز کا وقت ہوگیا، اور ایک آدمی بے پرواہ ہوکر بیٹھا رہا، یہاں تک کہ جب سورج کنارے آ لگا (جب سورج کنارے پر آجائے اور پیلا پڑ جائے اس طرح کہ انسان اس سورج کو کسی تکلیف کے بغیر آنکھ سے دیکھ سکے تو ایسے وقت میں عصر کی نماز مکروہ ہو جاتی ہے) تو اس وقت اٹھ کر اس نے جلدی سے چار ٹھونگیں ماریں، اور نماز ختم کر دی، یہ منافق کی نماز ہے۔ لہٰذا بات صرف یہ نہیں کہ نماز پڑھنی ہے، فریضہ سر سے ٹالنا ہے، بلکہ اس کے اوقات کا بھی لحاظ رکھنا ہے کہ وہ صحیح وقت پر ادا ہو۔ اب فجر کی نماز کا وقت طلوع آفتاب پر ختم ہو جاتا ہے، لہٰذا اس بات کا اہتمام ضروری ہے کہ طلوع آفتاب سے پہلے فجر کی نماز پڑھ لی جائے۔ اگر ایک آدمی بے پرواہ ہوکر پڑا سوتا رہا، اور پھر طلوع آفتاب کے بعد اٹھ کر نماز پڑھے تو اس شخص نے قضا نماز تو پڑھ لی، لیکن یہ نماز کی حفاظت نہ ہوئی، اس لئے کہ اس میں وقت کا لحاظ نہیں رکھا گیا، جس وقت اللہ تعالیٰ نے فرمایا تھا اس وقت نماز ادا نہیں کی گئی۔

اللہ کی اطاعت کا نام دین ہے

بار بار آپ حضرات سے عرض کرتا رہتا ہوں کہ دین نام ہے اللہ تعالیٰ کے حکم

کی اطاعت کا، کسی وقت کے اندر کچھ نہیں رکھا، لیکن جب اللہ تعالیٰ نے ایک حکم دیدیا کہ فلاں نماز کو فلاں وقت سے پہلے پہلے ادا کرو، تو اب اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرتے ہوئے اس وقت سے پہلے ادا کرنا ضروری ہے۔ اگر آفتاب طلوع ہورہا ہے، اور اس وقت کوئی شخص نماز پڑھنے کی نیت باندھ لے تو ایسا کرنا حرام ہے۔ لہٰذا وقت کے اندر نماز پڑھنا اور اوقات کی پابندی کرنا نماز کی محافظت کے مفہوم میں داخل ہے۔

جماعت سے نماز ادا کریں

تیسری بات جو نماز کی محافظت کے مفہوم میں داخل ہے، وہ یہ ہے کہ نماز کو اس کے مکمل طریقے سے ادا کیا جائے، اور مکمل طریقے سے ادا کرنے کا مطلب یہ ہے کہ اگر نماز ادا کرنے والا مرد ہے تو اس کے لئے ضروری ہے کہ وہ مسجد میں جا کر با جماعت نماز ادا کرے۔ مرد کے لئے جماعت کے ساتھ نماز ادا کرنا سنت مؤکدہ ہے، جو واجب کے قریب ہے، بلکہ بعض علماء کرام نے جماعت سے نماز پڑھنے کو واجب کہا ہے، البتہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک سنت مؤکدہ قریب بواجب ہے۔ ایک مرد گھر میں اکیلا نماز پڑھے تو یہ ناقص ادائیگی ہے، فقہاء کرام اس کو اداء قاصر کہتے ہیں، اداء کامل یہ ہے کہ آدمی مسجد میں جماعت کے ساتھ نماز ادا کرے۔ فضیلت اور ثواب کے لحاظ سے بھی جماعت سے نماز ادا کرنے کا درجہ زیادہ ہے، چنانچہ ایک حدیث میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

کہ تنہا نماز پڑھنے کے مقابلے میں جماعت سے نماز پڑھنے پر ستائیس گنا ثواب زیادہ دیا جاتا ہے۔ اب مسجد میں جا کر جماعت سے نماز ادا کرنے میں چند منٹ زیادہ خرچ ہوں گے، اس کی خاطر اتنا بڑا ثواب چھوڑ دینا، اور نماز کی ادائیگی کو ادھورا اور ناقص بنا لینا کتنے بڑے گھاٹے کا سودا ہے۔ لہٰذا مردوں کے لئے ضروری ہے کہ وہ مسجد میں آ کر نماز ادا کریں۔

نماز کے انتظار کا ثواب

اللہ تبارک وتعالیٰ نے مسجد کو اپنا گھر بنایا ہے، اس لئے انسان نماز کے انتظار میں جتنی دیر مسجد میں بیٹھتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کو نماز کا ثواب دیتے رہتے ہیں۔ مثلاً آپ حضرات اس وقت یہاں مسجد میں بیٹھے ہیں، اور اس لئے بیٹھے ہیں کہ نماز کا انتظار ہے، جتنی دیر آپ بیٹھے ہیں، چاہے خاموش ہی بیٹھے ہیں، کوئی کام بھی نہیں کر رہے ہیں، نہ نماز پڑھ رہے ہیں، نہ تلاوت کر رہے ہیں، نہ ذکر کر رہے ہیں، بلکہ خالی بیٹھے ہیں، لیکن چونکہ نماز کے انتظار میں بیٹھے ہیں، اس لئے اس پر وہی ثواب ملے گا جو نماز پڑھنے پر ثواب ملتا ہے۔ لہٰذا اگر آدمی پہلے سے مسجد میں پہنچ جائے تو اس کو مسلسل نماز کا ثواب ملتا رہے گا، اس کے نامہ اعمال میں نیکیوں کا اضافہ ہوتا رہے گا۔ بہر حال؛ نماز کی حفاظت میں یہ بات بھی داخل ہے کہ نماز کو جماعت کے ساتھ ادا کیا جائے۔

ان کے گھروں کو آگ لگا دوں

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ مبارک میں جب آپ مسجد نبوی میں امامت فرما رہے ہوتے تھے تو تمام صحابہ کرام حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے جماعت سے نماز ادا کرتے تھے، لیکن کچھ منافق قسم کے لوگ جماعت سے نماز ادا نہیں کرتے تھے، اور جماعت میں حاضر نہیں ہوتے تھے، چونکہ منافق تھے، ان کے دل میں ایمان تو تھا نہیں، صرف زبان سے کہہ دیا تھا کہ ہم مسلمان ہیں، اسلئے وہ لوگ بہانے بناتے، اور جماعت میں حاضر نہ ہوتے، البتہ کسی صحابی سے یہ تصور نہیں ہوتا تھا کہ وہ جماعت کی نماز چھوڑے گا۔ ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میرے دل میں یہ خیال آتا ہے کہ کبھی اس طرح کروں کہ نماز کی امامت کے لئے مصلیٰ پر کسی اور کو کھڑا کردوں، اور ان سے کہوں کہ نماز شروع کردو، اور پھر میں لوگوں کے گھروں پر جاکر دیکھوں کہ کون کون بیٹھا ہے جو جماعت میں نہیں آیا، اور جن لوگوں کو میں دیکھوں کہ وہ جماعت میں شامل نہیں ہیں، میرا دل چاہتا ہے کہ ان کے گھروں کو آگ لگا دوں۔

جماعت سے نماز پڑھنے کے فائدے

آپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صدمے اور غصّے کا اندازہ لگائیے، اس لئے کہ مسجد کے میناروں سے آواز بلند ہو رہی ہے کہ حیّ علی الصلوٰة حیّ علی الفلاح نماز کی طرف آؤ، فلاح کی طرف آؤ، لیکن یہ شخص گھر میں بیٹھا

ہے، اوراس کے کان پر جوں نہیں رینگتی۔ اللہ تعالیٰ ہر مسلمان کو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے غصے سے محفوظ رکھے، آمین۔ اگر ہم لوگ گھر میں بیٹھے ہیں، اور جماعت میں نہیں آرہے ہیں، اس وقت اس حدیث کا تصور کرلیا کریں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا دل چاہتا ہوگا کہ ہمارے گھروں کو آگ لگادیں۔ اللہ تبارک و تعالیٰ نے مسجد کو اپنا گھر بنایا ہے، اور اس کو امت مسلمہ کے لئے مرکز بنایا ہے، وہ یہاں جمع ہوکر اللہ تعالیٰ کے سامنے سربسجود ہوں، اور اللہ تعالیٰ کی عبادت کریں، اور پھر اس کا ایک فائدہ یہ بھی ہے کہ جب مسلمان ایک دوسرے سے ملتے ہیں تو ایک دوسرے کے دکھ درد میں بھی شریک ہوتے ہیں، ایک دوسرے کے حالات سے بھی واقفیت ہوتی ہے، پھر مل جل کر کوئی کام بھی کرسکتے ہیں، بے شمار فائدے حاصل ہوتے ہیں، لیکن اصل بات یہ ہے کہ اللہ کے حکم کی تعمیل میں مسجد کے اندر آؤ۔

عیسائیت کی تقلید نہ کریں

یہ جو ہمارے یہاں تصور پھیل گیا ہے کہ جب جمعہ کا دن آئے گا تو جمعہ کی نماز کے لئے مسجد میں آئیں گے، اور سارے ہفتے میں مسجد کے اندر آنے کا خیال نہیں آتا، یہ درحقیقت ہم نے اسلام کو عیسائی مذہب پر قیاس کرلیا ہے، عیسائی مذہب والے صرف اتوار کے دن اپنی عبادت گاہ میں جمع ہوتے ہیں، باقی دنوں میں چھٹی، اور اب تو اتوار بھی ختم ہوگیا، یورپ اور امریکہ میں جاکر دیکھو کہ کلیسا

ویران پڑے ہوئے ہیں، اور پادری صاحبان بیٹھے مکھیاں مارتے رہتے ہیں، عبادت کے لئے وہاں کوئی آتا ہی نہیں، بہر حال؛ ایک عرصہ دراز تک اتوار کے دن آیا کرتے تھے۔ اللہ بچائے؛ ہم نے یہی سمجھ لیا کہ صرف جمعہ کے دن مسجد میں جانا چاہیے، حالانکہ جس طرح جمعہ کی نماز فرض ہے، اسی طرح پانچ وقت کی نماز فرض ہے، اور جس طرح جمعہ کے دن مسجد میں نماز ادا کرنا ضروری ہے، اسی طرح عام دنوں میں بھی مسجد میں جا کر نماز کی ادائیگی ضروری ہے۔ اس لئے کہ جماعت کے ساتھ نماز ادا کرنا سنت مؤکدہ قریب بواجب ہے۔ بہر حال؛ جماعت سے مسجد میں نماز ادا کرنا نماز کی حفاظت کے مفہوم میں داخل ہے۔

خواتین اوّل وقت میں نماز ادا کریں

خواتین کے لئے حکم یہ ہے کہ وقت داخل ہونے کے فوراً بعد جلد از جلد نماز ادا کرلیں، خواتین اس سلسلے میں بڑی کوتاہی کرتی ہیں کہ نماز کو ٹلاتی رہتی ہیں، اور ایسے وقت میں نماز پڑھتی ہیں جب وقت مکروہ ہو جاتا ہے، ان کے لئے افضل یہ ہے کہ اوّل وقت میں نماز ادا کریں، اور مَردوں کے لئے ضروری ہے کہ وہ مسجد میں جا کر نماز ادا کریں۔

نماز کی اہمیت دیکھئے

اور اللہ تعالیٰ نے فلاح یافتہ بندوں کی صفات کا بیان شروع بھی نماز سے کیا تھا، اور ختم بھی نماز پر کیا، یہ بتانے کے لئے کہ ایک مؤمن کا سب سے اہم کام نماز

ہے۔ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی جب آدھی سے زیادہ دنیا پر حکومت تھی۔ آجکل تو لوگ چھوٹی چھوٹی حکومتیں لئے بیٹھے ہیں، اور اپنے آپ کو بادشاہ اور سربراہ اور نہ جانے کیا کیا سمجھتے ہیں، حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی زیر نگیں ان کے دورِ خلافت میں جتنا رقبہ تھا، آج اس وقت اس رقبے میں تقریباً ۱۵ خودمختار ملک بنے ہوئے ہیں، جبکہ فاروق اعظم تنہا اس کے حکمران تھے، اس وقت ان کی قلمرو میں ان کی ماتحت جتنے گورنر تھے، ان کے نام خط لکھا جو "مؤطا امام مالک" میں موجود ہے، اس خط میں فرمایا کہ:

ان اهمّ امركم عندی الصلاة ، فمن حفظها وحافظ عليها حفظ دينه ، و من ضيعها فهو لماسواها اضيع ـ

(مؤطاامام مالک ، کتاب وقوت الصلاۃ حدیث نمبر ۶)

یاد رکھو کہ تمہارے سب کاموں میں میرے نزدیک سب سے اہم کام نماز ہے، جس شخص نے نماز کی حفاظت کی، اور اس پر مداومت کی اس نے اپنے دین کی حفاظت کی، اور جس شخص نے نماز کو ضائع کیا، وہ اور چیزوں کو اور زیادہ ضائع کرے گا۔

جنت الفردوس کے وارث

بہر حال؛ اس لئے قرآن کریم نے ان صفات کے بیان کو شروع بھی

نماز سے کیا، اور ختم بھی نماز پر کیا، ان صفات کے بعد فرمایا کہ جن لوگوں میں یہ صفات پائی جائیں گی۔ یعنی (۱) نماز میں خشوع (۲) فضول کاموں سے بچنا (۳) زکوٰۃ کی ادائیگی (۴) اخلاق کی درستی (۵) عفت وعصمت کی حفاظت (۶) امانتوں اور عہد کی پابندی (۷) نمازوں کی حفاظت۔ یہ ہیں وہ لوگ جو جنت الفردوس کے وارث ہوں گے، اور ہمیشہ ہمیشہ اس میں رہیں گے۔ اللہ تعالیٰ اپنے فضل وکرم سے، اپنی رحمت سے ہم سب کو یہ ساری صفات عطا فرمائے، اور یہ ساری صفات عطا فرما کر اللہ تعالیٰ ہم سب کو اپنے فضل وکرم اور اپنی رحمت سے جنت میں داخل ہونے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

و آخر دعوانا ان الحمد للّٰہ ربّ العٰلمین

✿✿✿✿

✿✿✿

✿

اجمالی فہرست

اصلاحی خطبات مکمل

عنوان — صفحہ نمبر

جلد اول (۱)

جلد دوم (۲)

جلد سوم (۳)

جلد چہارم (۴)

جلد پنجم (۵)

جلد ششم (۶)

جلد ہفتم (۷)

جلد ہشتم (۸)

جلد نہم (۹)

جلد دہم (۱۰)

جلد گیارہوں (۱۱)

جلد بارہویں (۱۲)

جلد ۱۳

جلد ۱۴